# کلیات

# شکیب جلالی

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

# فہرست


۱۔کلیات شکیب جلالی کی تیاری (احفاظ الرحمٰن)

۲۔شکیب جلالی کے فن پر محترم جناب احمد ندیم قاسمی کے مختلف مضامین..

۳۔شکیب جلالی کی غزل (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)


## غزلیات


۱۔ گلے ملے نہ کبھی چاند، بخت ایسا تھا

۲۔آکے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے

۳۔شفق جو رُوئے سحر پر گلال ملنے لگی

۴۔وہی جُھکی ہوئی بیلیں، وہی دریچہ تھا

۵۔خزاں کے چاند نے پوچھا یہ جُھک کر کھڑکی میں

۶۔وہ دُوریوں کا راہ آب پر نشان کُھلا

۷۔آیا ہے ہر چڑھائی کے بعد اک اُتار بھی

۸۔کنارِ آب کھڑا خود سے کہہ رہا ہے کوئی

۹۔درد کے موسم کا کیا ہوگا اثر انجان پر

۱۰۔میں شاخ سے اُڑا تھا ستاروں کی آس میں

۱۱۔ہم جنس اگر ملے نہ کوئی آسمان پر

۱۲۔غم دل حیطۂ تحریر میں آتا ہی نہیں

۱۳۔وہاں کی روشنیوں نے بھی ظلم ڈھائے بہت

۱۴۔تیز آندھیوں میں اُڑتے پر و بال کی طرح

۱۵۔جہاں تلک بھی یہ صحرا دکھائی دیتا ہے

۱۶۔پھر سُن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو

۱۷۔خموشی بول اُٹھے، ہر نظر پیغام ہو جائے

۱۸۔یادیں ہیں اپنے شہر کی اہل سفر کے ساتھ

۱۹۔اس بُت کدے میں تو جو حسیں تر لگا مجھے

۲۰۔مُرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہُوئے بھی سیکھ

۲۱۔ساحل تمام اشک ندامت سے اٹ گیا

۲۲۔عشق پیشہ نہ رہے داد کے حقدار یہاں

۲۳۔اُتریں عجیب روشنیاں رات خواب میں

۲۴۔کیا کہیے کہ اب اس کی صدا تک نہیں آتی

۲۵۔جب تک غم جہاں کے حوالے ہُوئے نہیں

۲۶۔جلتے صحراؤں میں پھیلا ہوتا

۲۷۔ملا نہیں اذن رقص جن کو کبھی تو وہ شرار دیکھو

۲۸۔غم الفت مرے چہرے سے عیاں کیوں نہ ہوا

۲۹۔منظر تھا اک اُجاڑ نگاؤں کیسامنے

۳۰جو۔اب اپ رہ دل جو کشادہ نہیں رکھتے

۳۱۔موج غم اسلئے شاید نہیں گزر یسر سے

۳۲۔تو نے کیا کیا نہ اے زندگی دشت ورد میں پھرایا مجھے

۳۳۔اُتر گیا تن نازک سے پستیوں کا لباس

۳۴۔جو بھی تھے طالب یک زرہ اسے صحرا دے

۳۵۔اس خاکداں میں اب تک باقی ہیں کچھ شرر سے

۳۶۔اب میسر نہیں فرصت وہ دن رات ہمیں

۳۷۔آگ کے درمیان سے نکلا

۳۸۔وہ سامنے تھا پھر بھی کہاں سامنا ہوا

۳۹۔تارے ہیں نہ ماہتاب یارو

۴۰۔سمجھ سکو تو یہ تشنہ لبی سمندر ہے

۴۱۔اب یہ ویران دن کیسے ہو گا بسر

۴۲۔دستکیں دیتی ہیں شب کو در دل پر یادیں
۴۲۔کون جانے کہاں ھے شہرِ سکوں
۴۳۔کہاں رُکیں گے مسافر نئے زمانوں کے
۴۵۔موج صبا رواں ہوئی، رقص جنوں بھی چاھئے
۴۶۔آئینہ جزبات نہاں ہیں آنکھیں
۴۷۔پردۂ شب می اوٹ میں زہرہ جمال کھو گئے
۴۸۔رعنائی نگاہ کو قالب میں ڈھالیے
۴۹۔ہوائے شب سے نہ بجھتے ہیں اور نہ جلتے ہیں
۵۰۔شاخو، بھری بہار میں رقص برہنگی
۵۱۔حسن فردا غم امروز سے ضو پائے گا
۵۲۔مجھ سے ملنے شب غم اور تو کون آئے گا
۵۳۔مانند صبا جدھر گئے ہم
۵۴۔ساحل سے دور جب بھی کوئی خوب دیکھتے
۵۵۔میٹھے چشموں سے، خنک چھاؤں سے دور
۵۶۔کچھ دن اگر یہی رہا دیوار و در کا رنگ
۵۷۔ہر ایک بات ہے منت کش زباں لوگو
۵۸۔ہم آج ہیں پھر ملوُل یارو
۵۹۔باقی ہے یہی ایک نشاں موسم گُل کا
۶۰۔کوئی دیکھے تو سہی یار طرحدار کا شہر
۶۱۔دیکھتی رہ گئی محراب حرم
۶۲۔دنیا والوں نے چاہت کا مجھ کو صلہ انمول دیا
۶۳۔برگ دل کی طرح ہے زرد ہوا
۶۴۔روشن ہیں دل کے داغ نہ آنکھوں کے شب چراغ
۶۵۔یہ جلوہ گاہ ناز تماشائیوں سے ہے
۶۶۔دل میں لرزاں ہے ترا شعلۂ رخسار اب تک

۶۷۔دشت وصحرا اگر بسائے ہیں

۶۸۔جس قدر خود کو وہ چھپاتے ہیں

۶۹۔چوٹ ہر گام پہ کھا جانا

۷۰۔پاس رہ کر بھی بہت دور ہیں دوست

۷۱۔موسم گل ھے، بھری برسات ھے

۷۲۔غم دل سنانے کو جی چاہتا ھے

۷۳۔نقاب رخ اٹھایا جارہا ھے

۷۴۔یہ وفا کا صلہ دیا تم نے

۷۵۔ادھر ھے ضبط، ادھر اک خیال تو ھے

۷۶۔آج بیمار محبت بھی فسانہ ہو گیا

۷۷۔مریض غم کے سہارو کوئی تو بات کرو

۷۸۔وعدوں کو اپنے کس لئے ایفا کرے کوئی

۷۹۔گلہارے صبر وضبط کا خواں بنا دیا

۸۰۔یہ جھاڑیاں، یہ خار، کہاں آ گیا ہوں میں

۸۱۔لے کہ پہنچے گا کبھی تو جزبہ کامل مجھے

۸۲۔زمانت کی پہلی سی فطرت نہیں ہے

۸۳۔کیا چیز ہے یہ سعی پیہم کیا جزبا کامل ہوتا ہے

۸۴۔وفا کا صلہ ہم جفا پا رہے ہیں

۸۵۔تمہارے عشق میں مجبور و بے قرار ہوں میں

۸۶۔ان کی نقاب ہی رہے حسن طلب اٹھا کے ہم

۸۷۔جس وقت فصل گل کی قفس میں خبر گئی

۸۸۔بدقسمتی کو یہ بھی گوارا نہ ہو سکا

۸۹۔مُفلسوں کی پکار یے دنیا

۹۰۔زمانے میں نہیں باقی کوئی نام ونشاں اب تک

۹۱۔دوش ہستی پہ بار ہے انساں

۹۲۔ رنگینیِ حیات کے مارو جواب دو

۹۳۔ ساغر چشم سے سرشار نظر آتے ہیں

۹۴۔ ہر ایک موت ہے تعمیر نکتہ داں کے لیے

۹۵۔ پہلو ہی میں جب سے دل ناشاد نہیں ہے

۹۶۔ وحشت کے ان معماروں سے بنیاد ایواں ٹوٹ گئی

۹۷۔ رُخسار آج دھو کر شبنم نے پنکھڑی کے

۹۸۔ ایک معمہ سمجھ کر بھول گئے

۹۹۔ تم نے تقدیر جگا دی مرے ارمانوں کی

۱۰۰۔ یہ کہتا ہے خانہ خراب اٹھتے اٹھتے

۱۰۱۔ ایک ادنی سی توجہ جو کسی کے دل میں ہے

۱۰۲۔ بے جا نوازشات کا بار گراں نہیں

۱۰۳۔ آئینہ جمال دکھایا نکھار کے

۱۰۴۔ حُسن میں جب سے بے رُخی نہ رہی

۱۰۵۔ میری ناکامی کا افسانہ بھی کیا افسانہ تھا

۱۰۶۔ نقاب اٹھنے پہ ہر ارادہ تھا رائیگاں یاد آ رہا ہے

۱۰۷۔ خوشی کی بات نہیں ہے فسانے میں

۱۰۸۔ نظر پھر حضور خرابات آئی

۱۰۹۔ کبھی حُسن گُل و لالہ کبھی رنگ خزاں ہم ہیں

۱۱۰۔ خرد فریب نظاروں کی کوئی بات کرو

۱۱۱۔ وہ نظر سے سلام کرتے ہیں

۱۱۲۔ خواب آلودہ ہے ماحول طرب خانے کا

۱۱۳۔ بڑھے گا جو طوفاں میں بے سہارے

۱۱۴۔ نہ ساحل پہ مرنا نہ طوفاں میں جینا

۱۱۵۔ عشق کے غم گسار ہیں ہم لوگ

۱۱۶۔ رقص و نغمات سے بغاوت ہے

۱۱۷۔ حُسن کو عشق کی ضرورت ہے

۱۱۸۔ جب بھی گُلشن پہ گھٹا چھائی ہے

۱۱۹۔ وہ دیکھ لیں تو نظاروں میں آگ لگ جائے

۱۲۰۔ رازِ حیات و موت بڑا عاشقانہ ہے

۱۲۱۔ سرو سمن کی شوخ قطاروں کے سائے میں

۱۲۲۔ اپنی ذہن کشمش کو اب نمایاں کیجئے

۱۲۳۔ کمتر نہ جانیں لوگ اسے مہر و ماہ سے

۱۲۴۔ یہ خلائیں ہیں گوش بر آواز

۱۲۵۔ دوست کیا معتبر نہیں ہوتے

۱۲۶۔ ہر مصیبت پہ مسکرائیں گے

۱۲۷۔ محبت میں زباں کی بے زبانی اب بھی ہوتی ہے

۱۲۸۔ میرے دل کی کلی جو مرجھائی

۱۲۹۔ منہ پہ کیے سب شکوے گلے

۱۳۰۔ راہ دکھلاؤ رات اندھیری ہے

۱۳۱۔ دنیا جن پر سر کو دُھنے

۱۳۲۔ شکست خوردۂ حالات ہو گئی ہو گی

۱۳۳۔ رازِ دل پابندیوں میں بھی بیاں ہو جائے گا

۱۳۴۔ کلی کلی کی نگاہوں میں مثلِ خاور ہے

۱۳۵۔ گم ہی نہ ہو گئی ہو مری رہ گزر کہیں

۱۳۶۔ آدابِ چمن بدل رہے ہیں

۱۳۷۔ ہم نوازوں نے مل کے لُوٹ لیا

۱۳۸۔ آپ کی یادگار کھو بیٹھے

۱۳۹۔ جس دم قفس میں موسمِ گل کی خبر گئی

۱۴۰۔ جب تلک سارا زمانہ ہی طرب زار نہ ہو

۱۴۱۔ ذروں میں آفتاب و قمر دیکھتے رہے

۱۴۲۔یوں بھی دیا خراجِ عقیدت بہار کو

۱۴۳۔خوابِ گُل رنگ کے انجام پہ رونا آیا

۱۴۴۔کوئی ہے داتا کوئی سوالی

۱۴۵۔قہقہہ آنسوؤں کا حامی ہے

۱۴۶۔غمکی تصویر بن گیا ہوں میں

۱۴۷۔بے خودی سی ہے بے خودی توبہ

۱۴۸۔اب انہیں پرسشِ حالات گراں گزرے گی

۱۴۹۔کوئی اس دل کا حال کیا جانے

۱۵۰۔غمِ حیات کی لذت بدلتی رہتی ہے

۱۵۱۔ان کی سنجیدہ ملاقات سے دکھ پہنچا ہے

۱۵۲۔کسی کے پائے شکستہ پہ بار گزری ہے

۱۵۳۔حجابِ رنگ نظاروں پہ بار گزری ہے

۱۵۴۔زباں کاٹ دے اور ہونٹوں کو سی لے

۱۵۵۔دل گرفتہ ہیں جگر خون ہوئے جاتے ہیں

۱۵۶۔بعد از خزاں خشک بگولوں کے سلسلے

۱۵۷۔یادِ ایام سے شکوہ نہ گلہ رکھتی ہے

۱۵۸۔وہ زنداں یا چمن کا تزکرہ ہے

۱۵۹۔آکاش کے ماتھے کی اُجلی تحریریں سجدہ کرتی ہیں

۱۶۰۔پلکوں کے نشیلے سائے میں میخانے ہی میخانے ہیں

۱۶۲۔ہمیں جیب و آستیں پہ اگر اختیار ہوتا

۱۶۳۔دھوپ کہیں ہے چھاؤں کہیں ہے

۱۶۴۔بساطِ رنگ بچھاؤ بہار آئی ہے

۱۶۵۔سحر میں حسن ہے کیسا بہارِ شب کیا ہے

۱۶۶۔چند لمحوں کا تصرف کیا ہوا ان سے عقیدت ہو گئی

۱۶۷۔اربابِ سحر کی خود نگاہی

۱۶۸۔ جب کبھی بڑھ گیا ہے خوف وہراس

۱۶۹۔ چلے تھے ہم سے ٹکرانے بگولے

۱۷۰۔ لے اُڑی ہے صبا کلی کے گیت

۱۷۱۔ جب بھی چراغ لے کے اٹھے بست

۱۷۲۔ کہیں مہک، نہ ترنم، نہ رقص گُل پارہ

۱۷۳۔ ڈوبتے سورج کی جب یاد آ گئی

۱۷۴۔ زنجیر کی جھنکار کو سنگیت میں ڈھالا

۱۷۵۔ محجوب ہے کیوں بنت عنب سوچ رہے ہیں

۱۷۶۔ دورِ سحر وشام سے گھبراتے ہوئے ہیں

۱۷۷۔ پو پھٹے جب موج میں آئے گی دُھوپ

۱۷۸۔ شاخوں پہ رہے اور نہ داماں میں رہے پھول

۱۷۹۔ کاسہ سرکوان سے کچھ پتھر خیرات ملے

۱۸۰۔ دل کے ویرانے میں پھول کھلا رہتا ہے

۱۸۱۔ اُس گُل بدن کی بُوئے قبا کی یاد آ گئی

۱۸۲۔ اوجھل ہوا نظروں سے ضیاء خانہ مہتاب

۱۸۳۔ ابر بن کر مری آنکھوں سے برسنے والے

۱۸۴۔ اُس مدھ ماتی سُندر چھب کی متوالی دُنیا ساری ہے

۱۸۵۔ بس ایک شعاع نور سے سایہ سمٹ گیا

۱۸۶۔ بُجھے بُجھے سے شرارے مجھے قبول نہیں

۱۸۷۔ بے زباں ہم کلام ہوتے ہیں

۱۸۸۔ پیار ہے بھید کا گہرا ساگر، اس کی تھاہ نہ پاؤ گے

۱۸۹۔ پتھر مار و دار پہ کھینچو مرنے سے انکار نہیں

۱۹۰۔ تائید زندگی کی اُسی کو نصیب ہے

۱۹۱۔ تم ان کی محفلوں میں کبھی جاؤ بھی نہیں

۱۹۲۔ جاتی ہے دُھوپ اُجلے پروں کو سمیٹ کے

۱۹۳۔جب چھوٹ گئے تھے ہاتھ سے پتوار، یاد ہے

۱۹۴۔جو اشک خوں مری پلکوں سے بہ نکلتے ہیں

۱۹۵۔جنگل میں پھر رہے ہیں چمن چھوڑ آئے ہیں

۱۹۶۔چُھوا نہ تھا کبھی جس پیرہن کو پھولوں نے

۱۹۷۔حرف جو اس زبان سے نکلا

۱۹۸۔ہُوا جو صحن گلستاں میں راج کانٹوں کا

۱۹۹۔خوشبو اڑی ہے بات کی اکثر کہے بغیر

۲۰۰۔خاموشی کے دُکھ جھیلو گے ہنستے بولتے شہروں میں

۲۰۱۔دوستی کا فریب ہی کھائیں

۲۰۲۔روپ نگری میں ہم نے کیا دیکھا؟

۲۰۳۔زعم وفا بھی ہے ہمیں عشق بتاں کے ساتھ

۲۰۴۔سکوں نہیں ہے مگر اب وہ بے کلی بھی نہیں

۲۰۵۔سینہ ہے زخم زخم تو ہونٹوں پہ خامشی

۲۰۶۔شہر دل کے گرد و پیش رات کی فصیل ہے

۲۰۷۔قریۂ دل تھا کبھی شہر طلسمات ہمیں

۲۰۸۔قیامت ہے میرا دل مرکز آلام ہو جائے

۲۰۹۔کچھ مت پوچھو وقت نے اب کے چلی ہے کیسی چال

۲۱۰۔کبھی جو پرسش حالات ہو گئی ہو گی

۲۱۱۔کوئی اس دل کا حال کیا جانے

۲۱۲۔گُونجتا ہے نالۂ مہتاب آدھی رات کو

۲۱۳۔گھائل نہیں جو حُسن گُل تر کا آدمی

۲۱۴۔لو دے اٹھے وہ حرف طلب سوچ رہے ہیں

۲۱۵۔مرے خلوص کی شدت سے کوئی ڈر بھی گیا

۲۱۶۔میں وہ نہیں جو ہار گیا موج درد سے

۲۱۷۔وہ کون ہے جو تمہارا سراغ پا نہ سکا

۲۱۸۔ یہ کرن، یہ پُھول، بالیاں، جھمکے،

۲۱۹۔ یہ پُھول نہ وہ ماہ مبیں میرے لیے ہے

۲۲۰۔ یہ لُطف زہر نہ بن جائے زندگی کے لیے

۲۲۱۔ سرِ راہ اب نہ یوں مجھ کو پکارو تم ہی آ جاؤ

۲۲۲۔ سونے کا بت ہے کیا جو وہ لب کھولتا نہیں

۲۲۳۔ میں خندہ لب نہ سہی میرا دل اُداس تو ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

احفاظ الرحمٰن

# کلیاتِ شکیبؔ جلالی کی تیاری

حسین اقدس رضوی ایک شائستہ اور مہذب آدمی ہیں۔ تہذیبی رچاؤ ان کی گفتگو میں چھلکتا ہے۔ اور نشست و برخاست میں گُزرے زمانوں کا رنگ جھلکتا ہے، اگرچہ وہ عمر کی اس منزل پر ہیں، جو زندگی میں نئی رنگ آمیزیوں کا شوق بیدار کرتا ہے۔ وہ ایک بینکار ہیں، اور ان کا بیش تر وقت اعداد و شمار کی اُلجھنوں کو سلجھانے میں گزرتا ہے، لیکن اس کے باوجود غضب کا شعری ذوق رکھتے ہیں۔ خود شعر نہیں کہتے، لیکن شعر کی باریکیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ مزاج میں ٹھہراؤ اور مستقبل مزاجی نمایاں نظر آتی ہے، شاید اس لیے کہ حوادثِ زمانہ نے زندگی کے اُمور کو سمجھنے اور برتنے کے لیے ان کی ذات کو ایک خاص سلیقے اور قرینے سے ہم کنار کر دیا ہے۔

شاید اقدس رضوی کا یہ وصف ایک فطری عمل سے وجود میں آیا ہے، کیوں کہ وہ جدید دور کے نام ور رُجحان ساز شاعر، شکیب جلالی کے فرزندِ ارجمند ہیں، جو ہمیشہ حوادثِ زمانہ کی زد میں آندھیوں کے سامنے رکھے ہوئے چراغ کے مانند جلتے بُجھتے رہے، اور اپنے اس تجربے کو نوبہ نو پُر اثر شعروں میں منتقل کرتے رہے۔ یہ اشعار کس قدر پُر مایہ ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے مجموعے "روشنی اے روشنی" کے متعدّد ایڈیشن منظرِ عام پر آ چکے ہیں، اور جب کوئی ایڈیشن بازار میں آتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

شکیب جلالی کا بہت سا کلام، جو "روشنی اے روشنی" میں شامل نہیں ہو سکا، ادھر اُدھر کاغذوں میں بکھرا ہوا تھا۔ کچھ اوراق ان کی اہلیہ، محدشہ خاتون نے سینے سے لگا رکھے تھے اور بعض نظمیں اور غزلیں رسائل اور اخبارات کے صفحات میں نہاں تھیں۔ ایک سعادت مند فرزند ہونے کے ناتے اقدس نہ جانے کب سے ان بکھرے ہوئے اوراق کو یک جا کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یقیناً یہ ایک پیچیدہ اور جان لیوا کام تھا، لیکن وہ مستقبل مزاجی سے اس مُہم کو سر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کے پاس محفوظ کلام حاصل کیا، اور اس کے بعد کسی سُراغ رساں کی طرح دوسرے امکانات معلوم کرنے کے لیے تگ و دو کرنے لگے۔ انہوں نے پاکستان کے علاوہ انڈیا میں بھی اُن اہلِ ادب سے رابطہ کیا، جو کسی نہ کسی پہلو سے ان کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ اس مجموعے میں شامل بعض مشاہیر کے مضامین اسی جُستجو کا ثمر ہیں۔

حسین اقدس کی آرزو تھی کہ یہ مجموعۂ کلام صُوری سے بھی دیدہ زیب اور اغلاط سے پاک ہو۔ اس لیے انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے خود بھی پُروف ریڈنگ کی، اور دوسرے اصحاب سے بھی مدد حاصل کی۔ شکیب جلالی مرحوم عام طور پر اپنا کلام کاپیوں پر لکھا کرتے تھے۔ ان کاپیوں کے بعض اوراق بوسیدہ حالت میں ہیں۔ بعض الفاظ مٹے مٹے سے ہیں، اور بعض بالکل پڑھنے میں نہیں آتے۔ بعض مقامات پر شکیب صاحب نے اپنے اشعار پر نظرِ ثانی کی ہے، بعض مصرعے بالکل تبدیل کر دیے ہیں، اور بعض میں جُزوی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اُن کا

طرزِ تحریر روشن اور صاف ہے، تاہم بعض مقامات پر جہاں الفاظ کاٹ کر نئے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ بین السطور میں گنجائش نہ ہونے کے باعث وہ پڑھنے میں نہیں آتے اور انہیں سمجھنے کے لئے خاصی دیدہ ریزی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بہر حال، اقدس کی مستقل مزاجی نے یہ تمام مرحلے طے کر لیے۔

حسین اقدس کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کے والد ماجد کے کلام پر مضمون لکھ کر ان کے حوالے کروں میں نے کہا کہ اتنے مشاہیر کے مضامین کے بعد مجھ جیسے کوتاہ علم کے مضمون کی ضرورت نہیں تاہم ان کے اصرار کے پیش نظر گریز کا پہلو اختیار کرتے ہوئے زیرو نظر سطروں کے لیے راہ نکالنی پڑی جہاں تک شکیب صاحب کی شاعری کا تعلق ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے ان کی زندگی حیران کن تھی اور ان کے اشعار بھی ہماری آنکھوں کے سامنے حیرت کے نئے در کھولتے چلے جاتے ہیں ان کا ڈکشن منفرد ہے، شاید اسی لیے ان کے متعدد اشعار ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں ان میں حزن وملال کے ساتھ اضطراب اور بغاوت کا احساس بھی اُڈتا گرجتا محسوس ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ کلام ،جس میں شکیب جلالی کا سارا کلام سمٹ آیا ہے اہل ادب کے درمیان مقبولیت کی سند حاصل کرے گا، اور اس سے ان کے کلام کی معاونیت کی دریافت کے نئے امکانات سامنے آئے ہیں ،حسین اقدس کی اور ان کی والدہ ماجدہ محترمہ محدشہ خاتون مبارک باد کی مستحق اور ان کی لگن اور محنت کے طفیل یہ قابل قدر کتاب نہ صرف ان کے بلکہ ہمارے ہاتھوں میں بھی ہے

مئی ۲۰۰۴ء

# شکیب جلالی کے فن پر محترم جناب احمد ندیم قاسمی کے مختلف مضامین سے اقتباسات

www.HallaGulla.com

جب بھی کوئی پوچھتا ہے کہ گزشتہ دس بارہ سال کے اندر کون سا ایسا شاعر ابھرا ہے جس نے صحیح معنوں میں بھرپور غزل کہی ہو تو بغیر کسی تکلف کے شکیب جلالی کا نام لیتا ہوں شکیب نظم بھی کہتا ہے اور اس نے بعد میں بھی کہ پوری اردو نظم کا انتخاب بھی پیش نظر بھی شکیب کی ان نظموں کو آسانی سے نظر انداز کیا جاسکے گا، مگر وہ بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔

ناصر کاظمی ،احمد فراز، شہزاد احمد، کے سے کامیاب غزل کہنے والے شعراء کی موجودگی میں کسی نئے شاعر کا غزل کے میدان میں اپنا ایک مقام پیدا کرلینا کچھ آسان کام نہ تھا، مگر شکیب کی بے پناہ فنی اور تخلیقی قوتوں نے چند ہی برس کے اندازے سے ان غزل کو شعراء کے برابر لا کھڑا کیا ہے ۔بلکہ میں سمجھتا ہوں شکیب کہ دم سے اردو غزل نے ایک اور سنبھالا لیا ہے آزادی کے بعد بعض ترقی پسند شعراء دم توڑتی ہوئی اردو غزل میں جو نئی رو پھونکی ہے ۔اس لیے وہ نئے غزل گو شعراء پیدا کی ہے جن کی شاعری کو غزل کی نشاۃ الثانیہ قرار دیا گیا ہے۔مگر پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ان میں سے پیشتر شعراء نے کسی نہ کسی کلاسیکل غزل گو کی بیعت کرلی اور اسی رنگ میں کہنے اور سننے لگے اگر اس دور میں شکیب کے دور میں شاعر پیدا نہ ہوتے تو عین ممکن تھا کہ اردو غزل ایک دم دو سال پیچھے چلی جاتی آئندہ نسل میں اس کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہتا ۔شکیب کی غزل نے اردو شعر و ادب کے کے قاری کو بتایا کہ غزل گو بیسویں صدی کے نصف آخر کا ایک با شعور فرد ہو کر بھی کہہ غزل سکتا ہے جس میں عصر رواں کی روح بول رہی ہو اور جو اس کے باوجود غزل ہو شکیب کی غزل کا سب سے نمایاں حسن اس کی با شعور و جدانیت ہے۔ ممکن ہے شعور و جدان کی اس یکجائی پر باز حضرات چونکیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ شکیب نے شعوری تاثرات کو غزل میں منتقل کر کے انہیں وجدان کی طرح لطیف بنا دیا ہے یہ روائتی سمبل جن کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شاعر نے ہاتھی کے لیے کھڑکی کا سمبل پیش کیا تھا

اور وجہ بتائی تھی کے ہاتھی کے بڑے بڑے کان انہیں ہمیشہ کھڑی کے پٹ معلوم ہوہیں شکیب کے سمبل میں نہ ہو وہ کھینگے ہے چھو لو تو بھر جائے نہ جرات برائے کے شاعر حسن آفریدی کی زمہ داری سے الگ ہوکر صرف چونکا نے پرکمر باندھنے لے یہ سمبل قاری کے ذہن میں ایک مکمل تصویر لے آتے ہیں ۔ اور اس تصویر کے پس منظر میں شعر میں چھپا ہوا خیال یا جذبے پورے حسن سے جگمگا اٹھتے ہیں یہ قوت بہت کم شاعروں کو ودیعت ہوئی ہے اور اس لیے شکیب کی یہ خصوصیت منفرد ہے احساس کی نزاکت اور ہمہ گیری کو شعر میں یوں منتقل کرنا کہ یہ شعر خوب صورت بھی ہو اور میر و غالب اور و ذوق کی غزل سے بھی الگ پہچانا لا سکے اور عصر جدید کا شعر بھی کہلاتے اور اس کا تاثر ہنگامئِ بھی نہ ہو ، یہ شکیب کا حصہ ہے اور اس لیے آج شکیب اردو غزل کی امید گاہ ہے

( بشکریہ،،غزل نمبر۱۹۶۵ء،،فنون)

شکیب وہ شاعر تھا جس کے ساتھ اردو غزل کا مستقبل وابستہ تھا۔ اس نے غزل کو نیا لہجہ دیا تھا، اس میں نئی کھنک پیدا کی تھی اور گہرے مفہوم اور خوبصورت اظہار کو یوں کو یوں ہم آہنگ کیا تھا کہ وہ اگر چند برس اور زندہ رہتا تو اردو غزل کے ایک بلکل نئے دور کا پہلا شاعر مانا جاتا۔اس کی غزل جن رفعتوں تک پہنچ چکی تھی وہ بھی ہمارے کتنے ہی غزل گوؤں کے لیے قابل رشک ہے:

وہاں کی روشنیوں نے بھی ظلم ڈھائے بہت
میں اس گلی میں اکیلا تھا اور سائے بہت
(بشکریہ روز نامہ جنگ)

آج سے آٹھ برس پہلے ہی میں نے شکیب جلالی کو ناصر کاظمی احمد فراز ظفر اقبال اور شہزاد احمد کی موجودگی میں اردو غزل کی امید گاہ ہے کہا تھا۔ایک ہی برس بعد اس کا انتقال ہوگیا مگر میں آج اسے اردو غزل کی امید گاہ قرار دیتا ہوں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک اس نے جتنی غزلیں لکھی ہیں وہ میرے اس دعوے کی بھر پور تائید کرتی ہیں ۔ان میں اتنے رنگ ہیں،اتنے پہلو ہیں،اتنے تیور ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے کون سے رنگ کے بارے میں لکھوں اور اس کے کس تیور کو نظرانداز کروں۔ابھی چند روز پہلے کی بات ہے میں ایک کام سے اپنے گاؤں گیا اور ساتھ یہ شکیب کا مجموعہ کلام روشنی اے روشنی لیتا گیا مقصد یہ تھا

کہ اس کی کسی ایک نمایاں خصوصیت کو اپنے مضمون کا موضوع بناؤں اور اس خصوصیت کے حوالے سے اشعار چن لو۔ مگر جب میں مجموعے کی ابتدائی پچیس تیس غزلیں پڑھ چکا تو میں نے محسوس کیا کہ میں نے ان تمام غزلوں کے اشعار پر نشان لگا دیے ہیں اور کوئی ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جسے شکیب کے کمال فن کے تذکرے پر نظر انداز کیا جاسکے۔ برسوں پہلے خواجہ میر درد کے دیوان کا انتخاب کرتے ہوئے بھی مجھے ایسا ہی تجربہ ہوا تھا۔اس وقت بھی یہی خطرہ در پیش تھا کہ میں سارا دیوان ہی منتخب کرلوں مگر بعض مقامات پر اس زمانے کی زبان کی غرابت نے میری مدد اور میں اکا دکا اشعار کو چھوڑتا چلا گیا۔شکیب کے کلام نے تو مجھے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ہمارے ہاں کے ادبی تنقید نگار خود اپنے ذہن ے ذرا کم ہی سوچنے کے عادی ہیں۔وجہ یہ ہے کہ وہ اساتذہ فن کے چکر ہی سے نہیں نکل پاتے اور نئے شعراء کو درخواعتناء سمجھنا ان کی کسر شان ہے مگر آج نہیں تو مستقبل کا نقاد اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کرے گا کہ جدید اردو غزل کو جس شاعر نے سب سے زیادہ بصیرت دی اور جس نے پچیس برس کی عمر میں ہی اپنا منفرد اسلوب شعر پیدا کر لیا تھا اور جس نے نہایت خموشی کے ساتھ آنے والی پوری نسل کو بے پناہ متاثر کیا وہ شکیب جلالی ہی تھا۔مانا کہ ان میں سے اکثر میں شکیب کی سی سمہ گیری اور ہمہ رنگی نہیں آئی۔مگر اب شکیب کے کلام کی ایک جائی کے بعد وہ محسوس کریں گے کہ جدید غزل میں جدت کم اور جذبے کی تہذیب بھی شامل ہونی چاہیے اور شکیب کی غزل کی طرح اسے جدید غزل کی طرح اسے جدید غزل ہونے کے باوجود مرزا غالب اور اقبال اور فراق کی روایت کی غزل بھی ہونا چاہیے

اب آخر میں شکیب کے چند اشعار سن لیجیے:

خزاں کے چاند نے پوچھا یہ جھک کے کھڑکی میں
کبھی چراغ بھی جلتا ہے اس حویلی میں

.......................

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام روح
دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے لباس میں

....................

ملبوس خوشنما ہیں مگر جسم کھوکھلے
چھلکے سجے ہوں جیسے پھلوں کی دوکان پر

....................

یہ ایک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے
تمام دشت ہی پیاسہ دکھائی دیتا ہے

......................

رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجئے ڈھولک کی تھاپ کو

........................

میں نے اسے شریک سفر کر لیا شکیب
اپنی طرح سے چاند جو بے گھر نکلا

........................

نہ اتنی تیز چلے، سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتہ دکھائی دیتا ہے

........................

درخت راہ بتائیں ہلا ہلا کے ہاتھ
کہ قافلے سے مسافر بچھڑ گیا کوئی

..........................

عالم میں جس کی دھوم تھی، اس شاہکار پر
دیمک نے جو لکھے کبھی وہ تبصرے بھی دیکھ

..........................

اتر کے ناؤ سے بھی کب سفر تمام ہوا
زمیں پہ پاؤں دھرا تو زمین چلنے لگی

..........................

یہ کائنات ہے میری خاک کا ذرہ
میں اپنے دشت سے گزرا تو بھید پائے بہت

..........................

یوں تو بے سبب تو کوئی انہیں پوجتا نہیں
کچھ تو ہے پتھروں میں خدوخال کی طرح

..........................

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

کسی کا جسم اگر چھو لیا خیال میں بھی
تو پور پور مری مثل شمع جلنے لگی

.........................

یہ آڑی ترچھی لکیریں بنا گیا ہے کون
میں کیا کہو، میرے دل کا ورق تو سادہ تھا

.........................

اے دوست، پہلے قرب کا نشہ عجیب تھا
میں سن نہ سکا اپنے بدن کی پکار بھی

.........................

ایک یاد ہے دامن دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے جو لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

.........................

کب سے ہیں ایک حرف پر نظریں جمی ہوئی
وہ پڑھ رہا ہوں جو نہیں لکھا کتاب میں

.........................

شکیب کیسی اڑان، ہے اب وہ پر ہی ٹوٹ گئے
کہ زیرِ دام جب آئے تھے پھڑ، پھڑائے بہت

........................

اک حشر سا بپا تھا میرے دل اے شکیب
کھولی جو کھڑکیاں تو ذرا شور گھٹ گیا

........................

اسی لیے تو ہوا رو پڑی درختوں میں
ابھی میں کھل نہ سکا تھا کہ رت بدلنے لگی

........................

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو نہ اب ڈھانپ، مجھے ڈوبتا ہوا بھی دیکھ

........................

اک سانس کی طناب جو ٹوٹی تو اے شکیب
دوڑیں ہیں لوگ جسم کے خیمے کو تھامے ہوئے

........................

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

تیشے کا کام ریشہ گل سے لیا شکیب
ہم سے پہاڑ کاٹنے والے ہوئے نہیں

(بشکریہ روز نامہ جنگ)

www.HallaGulla.com

ایک اور جگہ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں۔

اردو غزل کی روایت میں شکیب کا مقام منفرد ہے ان کے دور میں فیض اور ناصر کاظمی خوبصورت غزلیں کہہ رہے تھے مگر وہ شکیب ہی تھا جس نے غزل کو موضوع و اظہار کے حوالے سے ایک متوازن جدت کا موڑ دیا۔یوں وہ جدید غزل نگاروں کا قافلہ سالار ہے۔

(بشکریہ روز نامہ جنگ)

Virtual Home
for Real People

ڈاکٹر فرمان پوری ستارہ امتیاز

# شکیب جلالی کی غزلیں

www.HallaGulla.com

غزل اردو کی مقبول ترین اور قدیم ترین صنف ہے بعض قدیم اصناف مثل قصیدہ، واسوخت اور داستان مثنوی وغیرہ نے دم توڑ دیا ہے اب ان کا چلن نہیں رہا لیکن غزل ، نئے موضوعات اور نئے اسالیب کے ساتھ نوز تائیند ہے چندکہ شاعری کی تاریخ میں دو پٹھان شاعریوں ،عظمت اللہ خاں اور شبیر حسن،، جوش ملیح آبادی نے مولانا حالی کے اشارے پر غزل کو گردن زدنی قرار دییا تھا لیکن غزل ان کی ضرب سے محفوظ رہی ۱۹۵۰ءاا ور۱۹۵۰ ائکے درمیان ترقی پسند مصنف سے منسلک بعض شعرا بہترین نظمیں کہیں ،یہ نظمیں مقبول ہوئیں اور ان کی گھن گرج اور مقولیت نے ایسا سماں باندھا کہ بعض نے غزل کی طرف سے مایوسی ا ور بے اطمینانی کا اظہا رکرنا شروع کر دیا مگر جگرمرادی آبادی ،فراق گورپوری ،حسرت موہانی ،مجروح سلطان پوری ا ور شکیب جلالی نی اردو کو ایسا سہارا دیا کہ جدید نظم کا سیلاب بھی غزل کی مقبولیت کو مجروح نہ کرسکا ،خصوصا شکیب جلالی نے اردو غزل کو ایسا رنگ وآہنگ فراہم کردیا کہ وہ عام و خاص سب کی توجہہ کا مرکز بن گئی اور آج تک یہ سلسلہ قائم ہے۔

غزل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کٹر صنف سخن ہے آسانی سے قابو میں نہیں آتی ،بڑی چنچل و نازک مزاج ہے ،حددرجہ سادہ و پرکار ہے، بظاہر بیخود لیکن ہوشیار، بڑی حیا کوش ونفاست پسند اور پراسرار ہے بےمحابہ نہیں رفتہ رفتہ کھلتی ہے ۔گفتار نرم سبک مزاج متلون ،درون خانہ کے ہنگامہ کا شکار ،خارجی حقائق کی رازدار ،لیکن طرز اظہار میں حد درجہ آزاد محتاط ،خیا لا ت وافکار کتنے ہی جدید ودقیق یا لطیف کیوں نہ ہو وہ اپنے مخصوص علامتی اور اجمالی انداز کے سوا کسی ا ور انداز سے سامنے آنا پسند نہیں کرتی زبان و بیان کے روایتی رشتوں کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتی ۔بات فکر کی ہو یا جذبے کی ،جدت کی ہو یا بغاوت کی غم عشق کی ہو یا روزگار کی، آرائش خم کاکل کی ہو یا اندیشہ ہائے دور درراز کی، غزل اپنے قدم روائتی اوع علامتی رشتوں کے سہارے ہی آگے بڑھاتی ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے غزل ہماری شاعری کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے اس کی بدولت

اردوشاعری میں ابدی عظمت و وقعت کے آثار پیدا ہوئے ہیں اور اسی کی بدولت وہ اس کی اہل ہوئی کہ دوسری زبانوں کے شعر ادب سے آنکھ ملا سکے۔جو چیز غزل میں اساسی حیثیت رکھتی ہے اور جس کے بغیر غزل ،غزل نہیں رہ سکتی وہ اس کا رومانی رکھ رکھاؤ اور اس کے لب و لہجہ کی ایمائیت و رمزئیت ہے۔اس ایمائت و رمزئیت کو جس سلیقے سے شکیب جلالی نے برتا ہے وہ حیرت انگیز ہے اور یہ سلیقہ ان کے ہم عصر کو کم ہی میسر آیا ہے ۔

تفصیلی بحث کی اس جگہ گنجائش نہیں صرف چند منتخب اشعار دیکھئے:۔

یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے ،لہجہ کرخت ایسا تھا

مجھے گرنا تو ہے اپنے قدموں میں ہی گروں
جس طرح سایہ دیوار پہ دیوار گرے

جو دل کا تھا کاغذ پہ سب بکھیر دیا
پھر اپنے آپ طبیعت مری سنبھلنے لگی

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتہ دکھائی دیتا ہے

یہ ایک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے
تمام دشت ہی پیا سا دیکھائی دیتا ہے

کھلی ہے دل میں کسی کے بدن کی دھوپ شکیب
ہر ایک پھول سنہرا دکھائی دیتا ہے

پہلے تو میری یاد سے آئی حیا انھیں
پھر آئنے میں چوم لیا اپنے آپ کو

خموشی بول اٹھے ، ہر نظر پیغام ہو جائے
یہ سناٹا اگر حد سے بڑھے کہرام ہو جائے

شکیب اپنے تعارف کے لئے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہوجائے

اک یاد ہے کہ دامن دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

کیا جانئے کہ اتنی اداسی تھی رات کیوں
مہتاب اپنی قبر کا پتھر لگا مجھے

میں نے اسے شریک سفر کر لیا شکیب
اپنی طرح سے چاند جو بے گھر لگا مجھے

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

چوما ہے میرا نام لب سرخ نے شکیب
یا پھول رکھ دیا ہے کسی نے کتاب میں

خوددار ہوں کیوں آؤں در اہل کرم پہ
کھیتی کبھی خود چل کے کٹا تک نہیں آتی

موج صبا رواں ہوئی، رقص جنوں بھی چاہیے
خیمۂ گل کے پاس ہی دجلۂ خوں بھی چاہیے

کشمکش حیات ہے، سادہ دلوں کی بات ہے
خواہش مرگ بھی نہیں،زہر سکوں بھی چاہیے

ضرب خیال سے کہاں ٹوٹ سکیں گی بیڑیاں
فکر چمن کے ہم رکاب جوش جنوں بھی چاہیے

پردۂ شب کی اوٹ میں زہر جمال کھو گئے
دل کنول بجھا تو شہر،تیرہ و تار ہو گئے

دل سا انمول رتن کون خریدے گا شکیب
جب بکے گا تو یہ بے دام ہی بک جائے گا

ان اشعار سے اندازہ ہوا ہوگا کہ شکیب جلالی کی غزل کن رموزو خصوصیات کی حامل ا ور وہ باذوق قارئین کے ذہنوں میں اتر کرکس طرح ان کے دلوں میں اپنی جگہ بنالیتی ہےان اشعار کی معنوی تہ داری اور گہرائی اس امر کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں معنی آفرینی ہے۔کوزہ گری نہیں،کوزے میں سمندر کو بند کرنا ہے۔ غالب کے لفظوں میں حمزہ کا قصہ نہیں قطرہ دجلہ نما ہے ۔دشنہ وخنجر ا ور بادہ ساغر کی شعبدہ گری نہیں ،مشاہدہ حق کی گفتگو ہے۔لڑکوں کا کھیل نہیں ہے ۔جزو میں کل کی نمائش ہے۔حسن و عشق کا افسانہ نہیں حقائق کا انکشاف ہے۔ایسا انکشاف جو خود کو موثر و دلکش اور فکر انگیز ا ور حیرت انگیز بنانے کے لیے بعض روائتی رشتوں اوربعض مخصوص رموز و علائم کا سہارا لیتا ہے ۔شرط یہ ہے کہ وہ شکیب جلالی جیسا خلاق ا ور

ہنر مند شاعر ہو۔شکیب جلالی نے بہت کم عمر پائی عین شباب میں انتقال کیا لیکن اردو کو غزل کو انھوں نے جو کچھ دے دیا اردو ادب خصوصا غزل کی تاریخ میں ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے بہت کافی ہے یقیناً انھوں نے بہت اچھی نظمیں بھی کہی ہے لیکن ان کی نظموں کا اندرونی آہنگ بھی بالکل غزل جیسا ہے اس لیے وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر کہے جائیں گےا ور ان کا تغزل ہی کے وصف سے متصف کہلائے گا۔

اوپر شکیب جلالی کی جو غزلوں کے حوالے دیے گئےا ور جن کی روشنی میں ان کی متغزلانہ حیثیت متعین کی گئی ہے وہ سب کے سب ان کے اولین مجموعہ کلام روشنی اے روشنی میں شامل ہیں،یہ مجموعہ مکتبہ فنون لاہور سے جناب احمد ندیم قاسمی صاحب کے مختصر تعارف کے ساتھ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔زیر نظر مجموعے میں شکیب کا سارا تخلیقی سرمایہ بشول نظم و غزل شامل ہے اور قاری کو لطف اندوزی کے ساتھ ازسر نو دعوت فکر و نظر دیتا ہے

مارچ ۲۰۰۴ء

www.HallaGulla.com

# غزلیات

Virtual Home for Real People

فصیل جسم پہ تازہ لہُو کے چھینٹے ہیں
حُدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

☆

گلے ملا نہ کبھی چاند ، بخت ایسا تھا
ہرا بھرا بدن اپنا درخت ایسا تھا

ستارے سِسکیاں بھرتے تھے، اوس روتی تھی
فسانۂ جگرِ لخت لخت ایسا تھا

ذرا نہ موم ہُوا پیار کی حرارت سے
چٹخ کے ٹوٹ گیا، دل کا سخت ایسا تھا

یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے، لہجہ کرخت ایسا تھا

کہاں کہ سَیر نہ کی توسنِ تخیّل پر
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا

اِدھر سے گزرا تھا مُلکِ سخن کا شہزادہ
کوئی نہ جان سکا، سازو رخت ایسا تھا

☆

آگے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے، پسِ دیوار گرے



www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

ایسی دہشت تھی فضاؤں میں کُھلے پانی کی
آنکھ جھپکی بھی نہیں، ہاتھ سے پتوار گرے

مجھے گرنا ہے تو میں اپنے ہی قدموں میں گروں
جس طرح سایۂ دیوار پہ دیوار گرے

تیرگی چھوڑ گئے دل میں اجالے کے خطوط
یہ ستارے مرے گھر ٹوٹ کے بے کار گرے

کیا ہَوا ہاتھ میں تلوار لیے پھرتی تھی
کیوں مجھے ڈھال بنانے کو یہ چھتنار گرے

دیکھ کر اپنے درو بام، لرز جاتا ہوں
مرے ہمسائے میں جب بھی کوئی دیوار گرے

وقت کی ڈور خدا جانے کہاں سے ٹوٹے
کس گھڑی سر پہ یہ لٹکی ہُوئی تلوار گرے

ہم سے ٹکرا گئی خود بڑھ کے اندھیرے کہ چٹان
ہم سنبھل کر جو بہت چلتے تھے، ناچار گرے

کیا کہوں دیدۂ تر، یہ تو مرا چہرہ ہے
سنگ کٹ جاتے ہیں، بارش کی جہاں دھار گرے

ہاتھ آیا نہیں کچھ رات کی دلدل کے سوا

ہائے کس موڑ پہ خوابوں کے پرستار گرے

وہ تجلّی کے شعاعیں تھیں کہ جلتے ہُوئے تیر
آئنے ٹوٹ گئے، آئنہ بردار گرے

دیکھتے کیوں ہو شکیبؔ اتنی بلندی کی طرف
نہ اٹھایا کرو سر کو یہ دستار گرے

☆

شفق جو رُوئے سحر پر گُلال ملنے لگی
یہ بستیوں کی فضا کیوں دُھواں اُگلنے لگی

اسی لیے تو ہوا رو پڑی درختوں میں
ابھی میں کِھل نہ سکا تھا کہ رُت بدلنے لگی

اُتر کے ناؤ سے بھی کب سفر تمام ہوا
زمیں پہ پاؤں دھرا تو زمیں چلنے لگی

کسی کا جسم اگر چُھولیا خیال میں بھی
تو پور پور مری، مثلِ شمع جلنے لگی

میں ناپتا چلا قدموں سے اپنے سائے کو

کبھی جو دشتِ مسافت میں دھوپ ڈھلنے لگی

مری نگاہ میں خواہش کا شائبہ بھی نہ تھا
یہ برف سی ترے چہرے پہ کیوں پگھلنے لگی

ہَوا جلی سرِ صحرا، تو یوں لگا ، جیسے
ردائے شام مرے دوش سے پھسلنے لگی

کہیں پڑا نہ ہو پَر تو بہارِ رفتہ کا
یہ سبز بُوند سی پلکوں پہ کیا مچلنے لگی

نہ جانے کیا کہا اس نے بہت ہی آہستہ
فضا کی ٹھہری ہُوئی سانس پھر سے چلنے لگی

جو دل کا زہر تھا کاغذ پہ سب بکھیر دیا
پھر اپنے آپ طبیعت مری سنبھلنے لگی

جہاں شجر پہ لگا تھا تبر کا زخم شکیبؔ
وہیں پہ دیکھ لے، کونپل نئی نکلنے لگی

☆

وہی جُھکی ہوئی بیلیں، وہی دریچہ تھا
مگر وہ پھول سا چہرہ نظر نہ آتا تھا

میں لوٹ آیا ہوں خاموشیوں کے صحرا سے
وہاں بھی تیری صدا کا غُبار پھیلا تھا

قریب تیر رہا تھا بطوں کا اک جوڑا
میں آب جُو کے کنارے اُداس بیٹھا تھا

شب سفر تھی، قبا تیرگی کی پہنے ہُوئے
کہیں کہیں پہ کوئی روشنی کا دھبّا تھا

بنی نہیں جو کہیں پر کلی کی تُربت تھی
سُنا نہیں جو کسی نے، ہوا کا نوحہ تھا

یہ آڑھی ترچھی لکیریں بنا گیا ہے کون
میں کیا کہوں، مرے دل کا وَرق تو سادا تھا

میں خاکداں سے نکل کر بھی کیا ہُوا آزاد
ہر اک طرف سے مجھے آسماں نے گھیرا تھا

اُتر گیا ترے دل میں تو شعر کہلایا
میں اپنی گونج تھا اور گنبدوں میں رہتا تھا

اُدھر سے بارہا گزرا مگر خبر نہ ہوئی
کہ زیرِ سنگ خنک پانیوں کا چشمہ تھا

وہ اس عکسِ بدن تھا کہ چاندنی کا کنول
وہ نیلی جھیل تھی یا آسماں کا ٹکڑا تھا

میں ساحلوں میں اُتر کر شکیبؔ کیا لیتا
ازل سے نام مرا پانیوں پہ لکھا تھا

☆

خزاں کے چاند نے پوچھا یہ جُھک کے کھڑکی میں
کبھی چراغ بھی جلتا ہے اس حویلی میں؟

یہ آدمی ہیں کہ سائے ہیں آدمیّت کے
گزر ہُوا ہے مرا کس اُجاڑ بستی میں!

جُھکی چٹان، پھسلتی گرفت، جُھولتا جسم
میں اب گِرا ہی گِرا تنگ و تار گھاٹی میں

زمانے بھر سے نرالی ہے آپ کی منطِق
ندی کو پار کیا کس نے اُلٹی کشتی میں

جلائے کیوں، اگر اتنے ہی قیمتی تھے خطوط

کُریدتے ہو عبث راکھ اب انگیٹھی میں

عجب نہیں جو اُگیں یاں درخت پانی کے
کہ اشک بوئے ہیں شب بھر کسی نے دھرتی میں

مری گرفت میں آکر نِکل گئی تِتلی
پروں کے رنگ مگر رہ گئے ہیں مُٹّھی میں

چلو کے ساتھ مرے، آگہی کی سرحد تک؟
یہ رہ گزار اُترتی ہے گہرے پانی میں

میں اپنی بے خبری سے شکیبؔ واقف ہوں
بتاؤ پیچ ہیں کتنے تمہاری پگڑی میں

☆

تیز آندھیوں میں اُڑتے پر و بال کی طرح
ہر شے گزشتنی ہے مہ و سال کی طرح

کیوں کر کہوں کہ درپئے آزاد ہے وہی
جو آسماں ہے سر پہ مرے ڈھال کی طرح

یوں بے سبب تو کوئی انہیں پُوجتا نہیں
کچھ تو ہے پتھروں میں خدوخال کی طرح

کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے
عُریانیوں کو اوڑھ لیا شال کی طرح

اب تک مرا زمین سے رشتہ ہے اُستوار
رہنِ ستم ہوں سبزۂ پامال کی طرح

میں خود ہی جلوہ ریز ہوں، خود ہی نگاہ شوق
شفاف پانیوں پہ جھکی ڈال کی طرح

ہر موڑ پہ ملیں گے کئی راہ زن شکیب
چلیئے چُھپا کے غم بھی زر و مال کی طرح

☆

جہاں تلک بھی یہ صحرا دکھائی دیتا ہے
مری طرح سے اکیلا دکھائی دیتا ہے

نہ اتنی تیز چلے، سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ اک ہی پتا دکھائی دیتا ہے

برا نہ مانیئے لوگوں کی عیب جوئی کا
انہیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے

یہ اک ابر کا ٹکڑا کہا کہا سے برسے
تمام دشت ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے

وہیں پہنچ کے گرائیں گے بادباں اب تو
وہ دور کوئی جزیرہ دکھائی دیتا ہے

وہ الوداع کا منظر، وہ بھگتیں پلکیں
پس غبار بھی کیا کیا دکھائی دیتا ہے

مری نگاہ سے چھپ کر کہاں رہے گا کوئی
کہ اب تو سنگ بھی شیشہ دکھائی دیتا ہے

سمٹ کر رہ گئے آخز پہاڑ سے قد بھی
زمیں سے ہر کوئی اُونچا دکھائی دیتا ہے

کھلی ہے دل میں کسی کے بدن کی دُھوپ شکیب
ہر ایک پُھول سنہرا دکھائی دیتا ہے

☆

پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو
بھولا ہُوا تھا دیر سے میں اپنے آپ کو

رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجیئے ڈھولک کی تھاپ کو

اشکوں کی ایک نہر تھی جو خشک ہوگئی
کیوں کر مٹاؤں دل سے ترے غم کی چھاپ کو

کتنا ہی بے کنار سمندر ہو، پھر بھی دوست
رہتا ہے بے قرار ندی کے ملاپ کو

پہلے تو میری یاد سے آئی حیا انہیں
پھر آئینے میں چوم لیا اپنے آپ کو

تعریف کیا ہو قامت دلدار کی شکیب
تجسیم کر دیا ہے کسی نے الاپ کو

☆

خموشی بول اُٹھے، ہر نظر پیغام ہو جائے
یہ سناٹا اگر حد سے بڑے کہرام ہو جائے

ستارے مشعلیں لے کر مجھے بھی ڈھونڈنے نکلے
میں رستہ بھول جاؤں ،جنگلوں میں شام ہو جائے

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سن کر لرزہ بر اندام ہو جائے

مثال ایسی ہے اس دور کرکے ہوش مندوں کی
نہ دامن میں زرہ اور صحرا نام ہو جائے

شکیب اپنے تعارف کے لئے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

☆

یادیں ہیں اپنے شہر کی ،اہل سفر کے ساتھ
صحرا میں لوگ آئے ھیں درو دیوار کے ساتھ

منظر کو دیکھ کر پس منظر بھی دیکھئے
بستی نئی بسی ہے پرانے کھنڈر کے ساتھ

سائے میں جان پڑ گئی دیکھا جو غور سے
مخصوص یہ کمال ہے اہل نظر کے ساتھ

اک دن ملا تھا بام پہ سورج کہیں جیسے
اُلجھے ہیں اب بھی دھوپ کے ڈورے گگر کے ساتھ

اک یاد ہے کہ دامن دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستوں
اک پل میں ٹوٹ جائیں جہان عمر بھر کے ساتھ

میری طرح یہ صبح بھی فنکار ہے شکیب
لکھتی ہے آسمان پہ غزل آب زر کے ساتھ

☆

اس بت کدے میں تو جو حسین تر لگا مجھے
اپنے ہی اک خیال کا پیکر لگا مجھے

جب تک رہی جگر میں لہو کی ذرا سی بوند
مٹھی میں بند اپنی سمندر لگا مجھے

مرجھا گیا جو دل میں اُجالے کا سرخ پھول
تاروں بھرا یہ کھیت بھی بنجر لگا مجھے

اب یہ بتا کہ روح کے شُعلے کا کیا ہے رنگ
مرمر کا یہ لباس سندر لگا مجھے

کیا جانئے کہ اتنی اُداسی تھی رات کیوں
مہتاب اپنی قبر کا پتھر لگا مجھے

آنکھوں کو بند کر کے بڑی روشنی ملی
مدہم تھا جو بھی نقش اجاگر لگا مجھے

یہ کیا ہے دل کے دیپ کی لو ہی تراش لی
سورج اگر ہے ،کرنوں کی جھالر لگا مجھے

صدیوں میں طے ہوا تھا بیاباں کا راستہ
گلشن کو لوٹتے ہوئے پل بھر لگا مجھے

میں نے اسے شریکِ سفر کر لیا شکیب
اپنی طرح سے چاند جو بے گھر لگا مجھے

☆

مُرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہوئے بھی دیکھ
سورج ہوں، میرا رنگ مگر دن ڈھلے بھی دیکھ

ہر چند کہ راکھ ہو کر بکھرنا ہے راہ میں
جلتے ہوئے پروں سے اُڑتا ہوں مجھے بھی دیکھ

عالم میں جس کی دھوم تھی، اس شاہکار پر
دیمک نے جو لکھے کبھی وہ تبصرے بھی دیکھ

تو نے کہا نہ تھا کہ کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ، مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

بچھی تھیں جس کی راہ میں پھولوں کی چادریں
اب اس کی خاک گھاس کے پیروں تلے بھی دیکھ

کیا شاخِ باثمر ہے جو تکتا ہے فرش کو
نظریں اُٹھا شکیب، کبھی سامنے بھی دیکھ

☆

ساحل تمام اشک ندامت سے اٹ گیا
دریا سے کوئی شخص تو پیاسا پلٹ گیا

لگتا تھا بے کراں مجھے صحرا میں آسمان
پہنچا جو بستے میں تو خانوں میں بٹ گیا

یا اتنا سخت جان کہ تلوار بے اثر
یا اتنا نرم دل کہ رگِ گُل سے کٹ گیا

بانہوں میں آ سکا نہ حویلی کا اک ستون
پتلی میں آنکھ کی ،صحرا سمٹ گیا

اب کون جائے کوئے ملامت کو چھوڑ کر
قدموں سے آ کے اپنا ہی سایہ لپٹ گیا

گنبد کا کیا قصور ،اُسے کیوں کہو بُرا
آیا جدہر سے تیر ،ادھر ہی پلٹ گیا

رکھتا ہے خود سے کون حریفانہ کشمکش
میں تھا کہ رات اپنے مقابل ڈٹ گیا

جس کی امان میں ہوں ،وہی اکتا گیا نہ ہو
بوندیں یہ کیوں برستی ہیں بادل تو چھٹ گیا

وہ لمحہ شعور جسے جانکنی کہیں
چہرے سے زندگی کے ،نقابیں اُلٹ گیا

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کہسار ہٹ گیا

اک حشر سا بپا تھا مرے دل میں اے شکیب
کھولیں جو کھڑکیاں تو زرا گھٹ گیا

☆

عشق پیشہ نہ رہے داد کے حقدار یہاں
پیش آتے ہیں رُعونت سے جفا کار یہاں

سر پٹک کر درِ زنداں پہ صبا نے یہ کہا
ہے دریچہ، نہ کوئی روزنِ دیوار یہاں

عہدو پیمان وفا، پیار کے نازک بندھن
توڑ دیتی ہے زرو سیم کی جھنکار یہاں

ننگ و ناموس کے بکتے ہُوئے انمول رتن

لب و رُخسار کے سجتے ہُوئے بازار یہاں

سرخیِ دامنِ گُل کس کو میسر آئی
اپنے ہی خوں میں نہائے لب ورُخسار یہاں

کشتیِ زیست سلامت ہے نہ پتوار یہاں
موج در موج ہیں سو رنگ کے منجدھار یہاں

ہمسفر چھوٹ گئے ، راہنما رُوٹھ گئے
یوں بھی آسان ہوُئی منزلِ دشوار یہاں

تیرگی ٹوٹ پڑی ،زور سے بادل گرجا
بجھ گئی سہم کے قندیلِ رُخِ یار یہاں

کتنے طوفان اُٹھے، کتنے ستارے ٹوٹے
پھر بھی ڈوبا نہیں اب تک دلِ بیدار یہاں

میرے زخم کفِ پا چومنے آئے گی بہار
میں اگر مر بھی گیا، وادیٔ پُرخار یہاں

☆

اتریں عجیب روشنیاں، رات خواب میں
کیا کیا نہ عکس تیر رہے تھے سراب میں

کب سے ہیں ایک حرف پہ نظریں جمی ہوئی
وہ پڑھ رہا ہوں جو نہیں لکھا کتاب میں

پانی نہیں کہ اپنے ہی چہرے کو دیکھ لوں
منظر زمیں کے ڈھونڈتا ہوں ماہتاب میں

پھر تیرگی کے خواب سے چونکا ہے راستہ
پھر روشنی سی دوڑ گئی ہے سحاب میں

کب تک رہے گا رُوح پہ پیراہنِ بدن
کب تک ہَوا اسیر رہے گی حَباب میں

یوں آئنہ بدست ملی پربتوں کی برف
شرما کے دھوپ لَوٹ گئی آفتاب میں

جینے کے ساتھ موت کا ڈر ہے لگا ہُوا
خشکی دکھائی دی ہے سمندر کو خواب میں

گزری ہے بار بار مرے سر سے موجِ خُشک
اُبھرا ہوں ڈوب ڈوب کے تصویرِ آب میں

اک یاد ہے کہ چھین رہی ہے لبوں سے جام
اک عکس ہے کہ کانپ رہا ہے شراب میں

چوما ہے میرا نام لبِ سُرخ نے شکیبؔ
یا پھول رکھ دیا ہے کسی نے کتاب میں

☆

کیا کہیے کہ اب اس کی صدا تک نہیں آئی
اُونچی ہوں فصیلیں تو ہوا تک نہیں آتی

شاید ہی کوئی آسکے اس موڑ سے آگے
اس موڑ سے آگے تو قضا تک نہیں آتی

وہ گُل نہ رہے، نکہت گل خاک ملے گی
یہ سوچ کے گلشن میں صبا تک نہیں آتی

اس شور تلاطم میں کوئی کس کو پکارے
کانوں میں یہاں اپنی صدا تک نہیں آتی

خددار ہوں ، کیوں آؤں در اہل کرم پر
کھیتی کبھی چل کے گھٹا تک نہیں آتی

اس دشت میں قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہے ہو
پیڑوں سے جہاں چھن کہ ضیاء تک نہیں آتی

http://www.hallagulla.com/urdu/

یا جاتے ہوئے مجھ سے لپٹ جاتی تھیں شاخیں
یا میرے بلانے سے صبا تک نہیں آتی

کیا خشک ہوا روشنیوں کا وہ سمندر
اب کوئی کرن، آبلہ پا تک نہیں آتی

چھپ چھپ کے سدا جھانکتی ہیں خلوت گل میں
مہتاب کی کرنوں کو حیا تک نہیں آتی

یہ کون بتائے عدم آباد ہے کیسا
ٹوٹی ہوئی قبروں سے صدا تک نہیں آتی

بہتر ہے، پلٹ جاؤ سیہ خانہ غم سے
اس سرد گپھا میں تو ہوا تک نہیں آتی

☆

جب تک غم جہاں کے حوالے ہوئے نہیں
ہم زندگی کے جاننے والے ہوئے نہیں

کہتا ہے آفتاب ، ذرا دیکھنا کہ ہم
ڈوبتے تھے گہری رات میں، کالے ہوئے نہیں

چلتے ہو سینہ تان کے دھرتی پہ کس لیے

تم آسماں تو سر پہ سنبھالے ہوئے نہیں

انمول وہ گہر ہیں جہاں کی نگاہ میں
دریا کی جو تہوں سے نکالے ہوئے نہیں

طے کی ہے ہم نے صورتِ مہتاب راہِ شب
طولِ سفر سے پاؤں میں چھالے ہوئے نہیں

ڈس لیں تو ان کے زہر کا آسان ہے اُتار
یہ سانپ آستین کے پالے ہوئے نہیں

تیشے کا کام ریشۂ گُل سے لیا شکیب
ہم سے پہاڑ کاٹنے والے ہوئے نہیں

☆

جلتے صحراؤں میں پھیلا ہوتا
کاش میں پیڑوں کا سایہ ہوتا

تو جو اس راہ سے گزرا ہوتا
تیرا ملبوس بھی کالا ہوتا

میں گھٹا ہوں، نہ پون ہوں ، نہ چراغ

ہمنشیں میرا کوئی کیا ہوتا

زخمِ عُریاں تو نہ دیکھے گا کوئی
میں نے کچھ بھیس ہی بدلا ہوتا

کیوں سفینے میں چھپاتا دریا
گر تجھے پار اُترنا ہوتا

بن میں بھی ساتھ گئے ہیں سائے
میں کسی جا تو اکیلا ہوتا

مجھ سے شفاف ہے سینہ کس کا
چاند اس جھیل میں اُترا ہوتا

اور بھی ٹوٹ کے آتی تری یاد
میں جو کچھ دن تجھے بُھولا ہوتا

راکھ کر دیتے ہیں جلا کر شعلے
یہ دھواں دل میں نہ پھیلا ہوتا

کچھ تو آتا مری باتوں کا جواب
یہ کنواں اور جو گہرا یوتا

نہ بکھرتا جو فضا میں نغمہ
سینہ نے میں تڑپتا ہوتا

اور کچھ دور چلتے مرے ساتھ
اور اک موڑ کو کاٹا ہوتا

تھی مقدر میں خزاں ہی تو شکیب
میں کسی دشت میں مہکا ہوتا

☆

ملا نہیں اذن رقص،جن کو، کبھی تو وہ بھی شرار دیکھو
اگر ہو اہل نگاہ یارو، چٹان کے آر پار دیکھو

یہ جان لینا ،وہاں بھی کوئی کسی کی آمد کا منتظر تھا
کسی مکاں کے جو بام ودر پر بجھے دیوں کی قطاردیکھو

اگر چہ بے خانماں ہیں لیکن ہمارا ملنا نہیں ہے مشکل
ادھر ہی صحرا میں دوڑ پڑنا، جدھر سے اٹھتا غبار دیکھو

عجب نہیں ہے پہاڑیوں پر شفق کا سونا پگھل رہا ہو
مکان تیرہ کے روزنوں میں یہ نور کے آبشار دیکھو

جو ابر رحمت سے ہو نہ پایا ،کیا ہے وہ کام آندھیوں نے
نہیں ہے خارو گیارہ باقی ، چمک اُٹھا رہگزار ، دیکھو

وہ راگ خاموش ہوچکا ہے، سنانے والا بھی سو چکا ہے
لرز رہے ہیں مگر ابھی تک شکستہ بربط کے تار، دیکھو

اک آہ بھرنا شکیب ہم سے خزاں نصیبوں کو یادکر کے
کلائیوں میں ٹہنیوں کی، مہکتی کلیوں کے ہار دیکھو

☆

غم الفت مرے چہرے سے عیاں کیوں نہ ہوا
آگ جب دل میں سلگتی تھی،دھواں کیوں نہ ہوا

سیل غم رُکتا نہیں ضبط کی دیواروں سے
جوش گریہ تھا تو میں گریہ کناں کیوں نہ ہُوا

کہتے ہیں، حُسن خدوخال کا پابند نہیں
ہر حسیں شے پہ مجھے تیرا گماں کیوں نہ ہوا

دشت بھی اس کے مکیں ،شہر بھی اس میں آباد
تو جہاں آن بسے دل وہ مکاں کیوں نہ ہوا

ق

تو وہی ہے جو مرے دل میں چھپا بیٹھا ہے
اک ہی راز کبھی مجھ پہ عیاں کیوں نہ ہوا

یہ سمجھتے ہوئے، مقصود نظر ہے تو ہی
میں ترے حسن کی جانب نگراں کیوں نہ ہوا

اس سے پہلے کہ ترے لمس کی خوشبو کھو جائے
تجھ کو پا لینے کا ارمان جواں کیوں نہ ہوا

ق

تپتے صحرا تو مری منزل مقصود نہ تھے
میں کہیں ہمسفر ابر رواں کیوں نہ ہوا

اجنبی پر تو یہاں لطف سوا ہوتا ہے
میں بھی اس شہر میں بے نام و نشاں کیوں نہ ہوا

نارسائی تھی مرے شوق کا حاصل تو شکیب
حائل راہ کوئی سنگ گراں کیوں نہ ہوا

☆

منظر تھا اک اُجاڑ نگاہوں کے سامنے
کیا کیا نہ رنگ بھر دیے افسون شام نے

اس حادثے کی، نخوت ساقی کو کیا خبر
بادہ پیا کہ زہر پیا تشنہ کام نے

http://www.hallagulla.com/urdu/

چہرے سے اجنبی تھا وہ میرے لیے مگر
سب راز اس کے ،کہ دیے طرز خرام نے

نکلا نہیں ہوں آج بھی اپنے حصار سے
حد نگاہ آج بھی ہے میرے سامنے

تھے حادثوں کے وار تو کاری ، مگر مجھے
مرنے نہیں دیا خلش انتقام نے

اک سانس کی طناب جو ٹوٹی تو اے شکیب
دوڑے ہیں لوگ جسم کے خیمے کو تھامنے

☆

اب آپ رہ دل جو کُشادہ نہیں رکھتے
ہم بھی سفر جاں کا ارادہ نہیں رکھتے

پینا ہو تو اک جرعۂ زہراب بہت ہے
ہم تشنہ دہن تُہمت بادہ نہیں رکھتے

اشکوں سے چراغاں ہے شب زیست،سو وہ بھی

کوتاہیِ مژگاں سے زیادہ نہیں رکھتا

یہ گردِ رہِ شوق ہی جم جائے بدن پر
رُسوا ہیں کہ ہم کوئی لبادہ نہیں رکھتے

ہر گام پہ جگنو سا چمکتا ہے جو دل میں
ہم اس کے سوا مشعلِ جادہ نہیں رکھتے

سُرخی نہیں پھولوں کی تو زخموں کی شفق ہے
دامانِ طلب ہم کبھی سادہ نہیں رکھتے

☆

جو بھی ہے طلبِ یک ذرہ،اسے صحرا دے
مجھ پہ مائل بہ کرم ہے، تودل دریا دے

کب سے ہُوں حسرتیِ یک نگہ گرم، کہ جو
محفلِ شوق کے آداب مجھے سمجھا دے

خلشِ غم سے مری جاں پہ بنی ہے، جیسے
ریشمیں شال کو کانٹوں پہ کوئی پھیلا دے

رختِ جاں کوئی لُٹانے ادھر آ بھی نہ سکے
ایسے مشکل تو نہیں دشتِ وفا کے جادے

بیتی یادوں کا تقاضا تو بجا ہے، لیکن
گردش شام و سحر کیسے کوئی ٹھرا دے

مجھ کو زنداں میں مل جائے گا عنوان جنوں
نکہت گل کو کریں قید خیا باں زادے

☆

موج غم اس لیے شاید نہیں گزری سر سے
میں جو ڈوبا تو نہ ابھروں گا کبھی ساگر سے

اور دنیا سے بھلائی کا صلہ کیا ملتا
آئینہ میں نے دکھایا تھا کہ پتھر برسے

کتنی گُم سُم مرے آنگن سے صبا گزری ہے
اک شرر بھی نہ اڑا روح کی خاکستر ہے

پیار کی جوت سے گھر گھر ہے چراغاں ورنہ
اک بھی شمع نہ روشن ہو، ہوا کے ڈر سے

اڑتے بادل کے تعاقب میں پھرو گے کب تک
درد کی دھوپ میں نکلا نہیں کرتے گھر سے

کتنی رعنائیاں آباد ہیں میرے دل میں
اک خرّاب نظر آتا ہے مگر باہر سے

وادیِ خواب میں اس گُل کا گزر کیوں نہ ہوا
رات بھر آتی رہی جس کی مہک بستر سے

طعنِ اغیار سنیں آپ خموشی سے شکیب
خود پلٹ جاتی ہیں ٹکرا کے صدا پتھر سے

☆

تو نے کیا کیا نہ اے زندگی، دشت و در میں پھرا مجھے
اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

اور بھی کچھ بھڑکنے لگا میرے سینے کا آتش کدہ
راس تجھ بن نہ آیا کبھی سبز پیڑوں کا سایا مجھے

ان کونپلوں سے مرا کیا کوئی بھی تعلق نہ تھا
شاخ سے توڑ کر، اے صبا خاک میں کیوں ملایا مجھے

درد کا دیپ جلتا رہا دل کا سونا پگھلتا رہا
ایک ڈوبے ہوئے چاند رات بھر خوں رلایا مجھے

اب مرے راستے میں کہیں خوف صحرا بھی حائل نہیں

خشک پتے نے آوارگی کا قرینہ سکھایا مجھے

مدتوں روئے گُل کی جھلک کو ترستا رہا میں شکیب
اب جو آئی بہار، اس نے صحن چمن میں نہ پایا مجھے

☆

اتر گیا تن نازک سے پتیوں کا لباس
کسی کے ہاتھ نہ آئی مگر گلاب کی باس

اب اپنے جسم کے سائے میں تھک کے بیٹھ رہو
کہیں درخت نہیں راستے میں، دور نہ پاس

ہزار رنگ کی ظلمت میں لے گئی مجھ کو
بس ایک چراغ کی خواہش ،بس اک شرار کی آس

تمہارے کام نہ آئے گا جو بھی دانا ہے
ہر ایک شخص پہ کیوں کر رہے ہو اپنا قیاس

کسی کی آس تو ٹوٹی ، کوئی تو ہار گیا
کہ نیم باز دریچوں میں روشنی ہے اُداس

وہ کالے کوس کی دوری اب ایک خواب سی ہے
تم آگئے ہو مگر کب نہ تھے ہمارے پاس

یہ کیا طلسم ہے، جب سے کنارِ دریا ہوں
شکیبؔ زور بھی کچھ بڑھ گئی رُوح کی پیاس

☆

اس خاکداں میں اب تک باقی ہیں کچھ شرر سے
دامن بچا کے گزرو یادوں کی رہ گزر سے

ہر ہر قدم پہ آنکھیں تھیں فرشِ راہ لیکن
وہ روشنی کا بالا اُترا نہ بام پر سے

کیوں جادۂ وفا پر مشعل بکف کھڑے ہو
اس سیلِ تیرگی میں نکلے گا کون گھر سے

کس دشت کی صدا ہو، اتنا مجھے بتا دو
ہر سو بچھے ہیں رستے آؤں تو میں کدھر سے

اُجڑا ہوا مکاں ہے یہ دل جہاں پہ ہر شب
پرچھائیاں لپٹ کر روتی ہیں بام و در سے

☆

اب میسر نہیں فرصت کے وہ دن رات ہمیں
لے اُڑی جانے کہاں صر صر حالات ہمیں

آج وہ یوں نگہ شوق سے بچ کر گزرے
جیسے یاد آئے کوئی بھولی ہوئی بات ہمیں

کیسے اڑتے ہوئے لمحوں کا تعاقب کیجئے
دوستو اب تو یہی فکر ہے دن رات ہمیں

نہ سہی ، کوئی ہجوم گُل ولالہ ، نہ سہی
دشت سے کم بھی نہیں کُنج خیالات ہمیں

وہ اگر غیر نہ سمجھے تو کوئی بات کریں
دل ناداں سے بہتسی ہیں شکایات ہمیں

دھوپ کی لہر ہے تو، سایہ دیوار ہیں ہم
آج بھی ایک تعلق ہے ترے سات ہمیں

رنگ و مستی کے جزیروں میں لیے پرتے ہیں
اس کی پائل سے چُراتے ہوئے نغمات ہمیں

☆

آگ کے درمیان سے نکلا

میں بھی کس امتحان سے نکلا

پھر ہوا سے سُلک اٹھے پتے
پھر دھواں گلستان سے نکلا

جب بھی نکلا ستارۂ امید
کُہر کے درمیان سے نکلا

چاندنی جھانکتی ہے گلیوں میں
کوئی سایہ مکاں سے نکلا

ایک شعلہ، پھر ایک دھویں کی لکیر
اور کیا خاکدان سے نکلا

چاند جس آسمان میں ڈوبا
کب اسی آسمان سے نکلا

یہ کہر جس کو آفتاب کہیں
کس اندھیرے کی کان سے نکلا

لوگ دشمن ہوئے اسی کے شکیب
کام جس مہربان سے نکلا

☆

وہ سامنے تھا پھر بھی کہاں سامنا ہوا
رہتا ہے اپنے نور میں سورج چھپا ہوا

اے روشنی کی لہر، کبھی تو پلٹ کے آ
تجھ کو بلا رہا ہے دریچہ کُھلا ہُوا

سیراب کی طرح ہو زمیں دور دور کی
ساحل نے ہے ندی کو مقید کیا ہُوا

اے دوست چشم شوق نے دیکھا ہے بارہا
بجلی سے تیرا نام گھٹا پر لکھا ہُوا

پہچانتے نہیں اسے محفل میں دوست بھی
چہرہ ہو جس کا گرد الم سے اٹا ہُوا

اس دور میں خلوص کا کیا کام اے شکیب
کیوں کر چلے بساط پہ مُہرہ پٹا ہُوا

☆

تارے ہیں، نہ ماہتاب یارو
کچھ اس کا بھی سدباب یارو

آنکھوں میں چتائیں جل رہی ہیں
ہونٹوں پہ ہے آب آب یارو

تاحد خیال ریگ صحرا
تاحد نظر سراب یارو

رہبر ہی نہیں ہے ساتھ اپنے
رہزن بھی ہیں ہم رکاب یارو

شُعلے سے جہاں لپک رہے ہیں
برسے گا وہیں سحاب یارو

☆

سمجھ سکو تو یہ تشنہ لبی سمندر ہے
بقدر ظرف ہر اک آدمی سمندر ہے

اُبھر کے ڈوب گئی کشتی خیال کہیں
یہ چاند ایک بھنور ، چاندنی سمندر ہے

جو داستاں نہ بنے دردِ بیکراں ہے وہی

جو آنکھ ہی میں رہے وہ نمی سمندر ہے

نہ سوچیے تو مختصر ہے سیلِ حیات
جو سوچیے تو یہی زندگی سمندر ہے

تو اس میں ڈوب کے شاید اُبھر سکے نہ کبھی
مرے حبیب مری خامشی سمندر ہے

☆

اب یہ ویران دن کیسے ہوگا بسر
رات تو کٹ گئی درد کی سیج پر

بس یہیں ختم ہے پیار کی رہ گزر
دوست، اگلا قدم کچھ سمجھ سوچ کر

اس کی آواز پا تو بڑی بات ہے
ایک پتہ بھی کھڑکا نہیں رات بھر

گھر میں طوفان آئے زمانہ ہوا
اب بھی کانوں میں بجتی ہے زنجیرِ در

اپنا دامن بھی اب تو میسر نہیں
کتنے ارزاں ہوئے آنسوؤں کے گُہر

یہ شکستہ قدم بھی ترے ساتھ تھے
اے زمانے ٹھہر، اے زمانے ٹھہر

اپنے غم پر تبسم کا پردہ نہ ڈال
دوست، ہم ہیں سوار ایک ہی ناؤ پر

☆

دستکیں دیتی ہیں شب کو درِ دل پر یادیں
کچھ نہیں ہے مگر اس گھر کا مقدر یادیں

ڈھونڈتی ہیں تری مہکی ہُوئی زلفوں کی بہار
چاندنی رات کے زینے سے اُتر کر یادیں

عشرتِ رفتہ کو آواز دیا کرتی ہیں
ہر نئے لمحے کی دہلیز پہ جا کر یادیں

رنگ بھرتے ہیں خلاؤں میں ہیولے کیا کیا
پیش کرتی ہیں عجب خواب کا منظر یادیں

نہ کسی زلف کا عنبر، نہ گلوں کی خوشبو
کر گئی ہیں مری سانسوں کو معطر یادیں

کم نہیں رات کے صحرا سے مرے دل کی فضا
اور آکاش کے تاروں سے فزوں تر یادیں

مشعلِ غم نہ بجھاؤ کہ شکیب اس کے بغیر
راستہ گھر کا بھلا دیتی ہیں اکثر یادیں

☆

کون جانے کہاں ہے شہرِ سکوں
قریہ قریہ بھٹک رہا ہے جُنوں

نورِ منزل مجھے نصیب کہاں
واقعہ خوشگوار ہو تو کہوں

کن اندھیروں میں کھو گئی ہے سحر
چاند تاروں پہ مار کر شب خوں

تم جسے نورِ صبح کہتے ہو
میں اسے گردِ شام بھی نہ کہوں

اب تو خونِ جگر بھی ختم ہوا
میں کہاں تک خلاء میں رنگ بھروں

جی میں آتا ہے اے رہ ظلمت
کہکشاں کو مروڑ کر رکھ دوں

☆

کہاں رُکیں گے نسافر نئے زمانوں کے
بدل رہا ہے جنوں زاویے اُڑانوں کے

یہ دل کا زخم ہے ،اک روز بھر ہی جائے گا
شگاف پُر نہیں ہوتے فقط چٹانوں کے

چھلک چھلک کے بڑھا میری سمت نیند کا جام
پگھل پگھل کے گرے قفل قید خانوں کے

ہوا کے دشت میں تنہائی کا گزر ہی نہیں
مرے رفیق ہیں مُعطرب گئے زمانوں کے

کبھی ہمارے نقوش قدم کو ترسیں گے
وہی آج ستارے ہیں آسمانوں کے

☆

موج صبا رواں ہُوئی ،رقصِ جنوں بھی چاہیے
خیمہ گُل کے پاس ہی دجلہ خوں بھی چاہیے

کشمکش حیات ہے،سادہ دلوں کی بات ہے
خواہش مرگ بھی نہیں زہر سکوں بھی چاہیے

ضرب خیال سے کہاں ٹوٹ سکیں گی بیڑیاں
فکر چمن کے ہم رکاب جوش جنوں بھی چاہیے

اتنا کرم تو کیجئے بجھتا کنول نہ دیجئے
زخمی جگر کے ساتھ ہی درد فزوں بھی چاہیے

دیکھیے ہم کو غور سے، پوچھیے اہل جور سے
روح جمیل کے لیے ،حال زُبوں بھی چاہیے

☆

آئینہ جزبات نہاں ہیں تری آنکھیں
اک کارگہ شیشہ گراں ہیں تری آنکھیں

سر چشمہ افکار جواں ہیں تری آنکھیں
تابندہ خیالات کی جاں ہیں تری آنکھیں

انداز خموشی میں ہے گُفتار کا پہلو

http://www.hallagulla.com/urdu/

گویا نہ سہی ، چُپ بھی کہاں ہیں تری آنکھیں

جاؤں گا کہاں توڑ کے زنجیرِ وفا کو
ہر سو مری جانب نگراں ہیں تری آنکھیں

کہنا ہے وہی جس کی توقع ہے تجھے بھی
مت پوچھ مرے دل کی زباں ہیں تری آنکھیں

پلکوں کے جھروکوں سے سُبو جھانک رہے ہیں
اُمید گہِ تشنہ لباں ہیں تری آنکھیں

یوں ہی تو نہیں امڈی چلی آتی ہیں منزلیں
پہلو میں مرے زمزمہ خواں ہیں تری آنکھیں

☆

پردۂ شب کی اوٹ میں زہرہ جمال کھو گئے
دل کا کنول بجھا تو شہر تیرہ و تار ہو گئے

ایک ہمیں ہی اے سحر، نیند نہ آئی رات بھر
زانوئے شب پہ رکھ کر سر، سارے چراغ سو گئے

راہ میں تھے ببول بھی، رود شرر بھی، دُھول بھی

جانا ہمیں ضرور تھا گُل کے طواف کو گئے

دیدہ ورو بتائیں ،کیا تم کو یقیں نہ آئے گا
چہرے تھے جن کے چاند سے، سینے میں داغ ہو گئے

داغ شکست دوستو، دیکھو کے نصیب ہو
بیٹھے ہوئے ہیں تیز رو، سُست خرام تو گئے

اہل جنوں کے دل شکیب نرم تھے موم کی طرح
تیشہ یاس جب چلا، تو وہٗ سنگ ہو گئے

☆

رعنائی نگاہ کوقالب میں ڈھالیے
پتھر کے پیرہن سے سراپا نکالیے

گزرا ہے دل سے جو رم آہو سا اک خیال
لازم ہے، اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالیے

دل میں پرائے درد کی اک ٹیس بھی نہیں
تخلیق کی لگن ہے تو زخموں کو پالیے

یہ کہر کا ہجوم در دل پہ تابہ کے
بام یقیں سے ایک نظر اس پہ ڈالیے

احساس میں رچایئے قوس قزح کے رنگ
ادراک کی کمند ستاروں پہ ڈالیے

ہاں، کوزہ ہائے گل پہ ہے تنقید کیا ضرور
گر ہو سکے تو خاک سے خورشید ڈھالیے

امید کی کرن ہو کہیں حسرتوں کے داغ
ہر دم نگار خانہ دل کو اُجالیے

شاید کہ ان کی سمت بڑھے کوئی دشت شوق
روندے ہوئے گلاب فضا میں اُچھالیے

ہاں،کوہ شب کو کاٹ کے لانا ہے جوئے نور
ہاں، بڑھ کے آفتاب کا تیشہ سنبھالیے

وجدان کی ترنگ کا مصروف بھی ہو شکیب
شاعر کی ؤظمتوں کو ہنسی میں نہ ٹالیے

☆

ہوائے شب سے نہ بجھتے ہیں اور نہ جلتے ہیں
کسی کی یاد کے جگنو دُھواں اُگلتے ہیں

شب بہار میں مہتاب کے حسیں سائے
اُداس پا کے ہمیں، اور بھی مچلتے ہیں

اسیر دام جنوں ہیں، ہمیں رہائی کہاں
یہ رنگ و بو کے قفس اپنے ساتھ چلتے ہیں

یہ دل وہ کار گہ مرگ و زیست ہے کہ جہاں
ستارے ڈوبتے ہیں، آفتاب ڈھلتے ہیں

خود اپنی آگ سے شاید گراز ہو جاہیں
پرائی آگ سے کب سنگ دل پگھلتے ہیں

☆

شاخوں بھری بہار میں رقص برہنگی
مہکی ہوئی وہ چادر گُل بار کیا ہوئی،

بے نغمہ و صدا ہے وہ بت خانہ خیال
کرتے تھے گفتگو جہاں پتھر کے ہونٹ بھی

وہ پھر رہے ہیں زخم بہ پا آج دشت دشت

قدموں میں جن کے شاخ گُل تر جھکی رہی

یوں بھی بڑھی ہے وسعت ایوان رنگ و بو
دیوار گلستاں در زنداں سے جا ملی

رعنائیاں چمن کی تو پہلے بھی کم نہ تھیں
اب کے مگر سجائی گئی شاخ دار بھی

☆

حسن فردا غم امروز سے ضو پائے گا
چاند ڈوبا ہے تو سورج بھی اُبھر آئے گا

آندھیوں میں بھی فروزاں ہے چراغ امید
خاک ڈالے سے یہ شعلہ کہیں بجھ جائے گا

کُو بہ کُو دام بچھے ہوں کہ کڑکتی ہو کماں
طائر دل، پر پرواز تو پھیلائے گا

توڑ کر حلقہ شب،ڈال کے تاروں پہ کمند
آدمی عرصہ آفاق پہ چھا جائے گا

ہم بھی دو چار قدم چل کے اگر بیٹھ گئے
کون پھر وقت کی رفتار کو ٹھرائے گا

راہ میں جس کی دیا خوں دل و جاں ہم نے
وہ حسیں دور بھی آئے گا، ضرور آئے گا

☆

مجھ سے ملنے شب غم اور تو کون آئے گا
میرا سایہ ہے جو دیوار پہ جم جائے گا

ٹھہرو ٹھہرو، مرے اصنام خیالی ، ٹھہرو
میرا دل گوشۂ تنہائی میں گھبرائے گا

لوگ دیتے رہے کیا کیا نہ دلاسے مجھ کو
زخم گہرا ہی سہی ،زخم ہے، بھر جائے گا

عزم پختہ ہی سہی ترک وفا کا، لیکن
منتظر ہوں، کوئی آکر مجھے سمجھائے گا

آنکھ جھپکے نہ کہیں ،راہ اندھیری ہی سہی
آگے چل کر وہ کسی موڑ پہ مل جائے گا

دل سا انمول رتن کون خریدے گا شکیب
جب بکے گا تو یہ بے دام ہی بک جائے گا

☆

مانند صبا جدھر گئے ہم
کلیوں کو نہال کر گئے ہم

زنجیر بپا اگر گئے ہم
نغموں کی طرح بکھر گئے ہم

سورج کی کرن تھے، جانے کیا تھے
ظُلمت میں اُتر اُتر گئے ہم

جب بھی کوئی سنگ راہ دیکھا
طوفاں کی طرح بپھر گئے ہم

چلنا تھا جہاں محال یارو
اس راہ سے بھی گزر گئے ہم

بن جائیں گی منزلیں وہیں پر
بھولے سے جہاں ٹھہر گئے ہم

ہنس ہنس کے گلے ملے قضا سے
تکمیل حیات کر گئے ہم

☆

ساحل سے دور جب بھی کوئی خواب دیکھتے
جلتے ہُوئے چراغ تہ آب دیکھتے

ہم نے فضول چھیڑ دی زخمِ نہاں کی بات
چُپ چاپ رنگ خندۂ احباب دیکھتے

غم کی بس ایک موج نے جن کو ڈبو دیا
اے کاش وہ بھی حلقۂ گرداب دیکھتے

بیتے دنوں کے زخم کُریدے ہیں رات بھر
آئی نہ جن کو نیند وہ کیا خواب دیکھتے

کشکول شعر تر لیے پھرتے نہ ہم شکیب
اس ریشمیں بدن پہ جو کمخواب دیکھتے

☆

میٹھے چشموں سے، خُنک چھاؤں سے دور
زخم کھلتے ہیں ترے گاؤں سے دور

http://www.hallagulla.com/urdu/

سنگ منزل نے لہو اگلا ہے
دور ہم بادیہ پیماؤں سے دور

کتنی شمعیں ہیں اسیر فانوس
کتنے یوسف ہیں زلیخاؤں سے دور

کشت اُمید سلگتی ہی رہی
ابر برسا بھی تو صحراؤں سے دور

جور حالات ، بھلا ہو تیرا
چین ملتا ہے شناساؤں سے دور

ق

جنت فکر بُلاتی ہے چلو
دیر و کعبہ سے ، کلیساؤں سے دور

رقص آشفتہ سراں دیکھیں گے
دور، ان انجمن آراؤں سے دور

جُستجو ہے دُریکتا کی شکیب
سیپیاں چُنتے ہیں دریاؤں سے دور

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

کچھ دن اگر یہی رہا دیوار و در کا رنگ
دیوار و در پہ دیکھنا خونِ جگر کا رنگ

بھولا نہیں ہوں مقتلِ امید کا سماں
تحلیل ہو رہا تھا شفق میں سحر کا رنگ

دنیا غریقِ شعبدۂ جامِ جم ہوئی
دیکھے گا کون خُونِ دلِ کوزہ گر کا رنگ

اُلجھے ہوئے دھویں کی فضا میں ہے اک لکیر
کیا پوچھتے ہو شمعِ سرِ رہ گزر کا رنگ

دامانِ فصلِ گُل پہ خزاں کی لگی ہے چھاپ
ذوقِ نظر پہ بار ہے برگ و ثمر کا رنگ

جمنے لگی شکیب جو پلکوں پہ گردِ شب
آنکھوں میں پھیلنے لگا خوابِ سحر کا رنگ

☆

ہر ایک بات ہے منت کشِ زباں لوگو
نہیں ہے کوئی بھی اپنا مزاج داں لوگو

کچھ اس طرح وہ حقائق کو سن کے چونک اٹھے
بکھر گئیں سر محفل پہلیاں لوگو

مرے لبوں سے کوئی بات بھی نہیں نکلی
مگر تراش لیں تم نے کہانیاں لوگو

بہار نو بھی انہیں پھر سجا نہیں سکتی
بکھر گئی ہیں جو پھولوں کی پتیاں لوگو

بڑا زمانہ ہُوا آشیاں کو راکھ ہُوئے
مگر نگاہ ہے اب تک دُھواں دُھواں لوگو

خطا معاف، کہ مے سے زکیب مُنکر ہے
اُسے عزیز ہیں دنیا کی تلخیاں لوگو

☆

ہم آج ہیں پھر ملول یارو
مر جھا گئے کھل کے پھول یارو

گزرے ہیں خزاں نصیب ادھر سے
پیڑوں پہ جمی ہے دُھول یارو

تاحد خیال، لالہ و گُل

تا حد نظر، ببول یارو

جب تک کہ ہوس رہی گلوں کی
کانٹے بھی رہے قبول یارو

ہاں، کوئی خطا نہیں تمہاری
ہاں، ہم سے ہوئی ہے بھول یارو

☆

باقی ہے یہی ایک نشاں موسمِ گُل کا
جاری رہے گلشن میں بیاں موسمِ گل کا

جب پھول مرے چاک گریباں پہ ہنسے تھے
لمحہ وہی گزرا ہے گراں موسمِ گُل کا

نادان گھٹاؤں کے طلب گار ہوئے ہیں
شُعلوں کو بنا کر نگراں موسمِ گُل کا

سُوکھے ہوئے پتوں کے جہاں ڈھیر لگے ہیں
دیکھا تھا وہیں سیل رواں موسمِ گُل کا

☆

کوئی دیکھے تو سہی یار طرحدار کا شہر
میری آنکھوں میں سجا ہے لب و رخسار کا شہر

دشت احساس میں شعلہ سا کوئی لپکا ہے
اسی بنیاد پہ تعمیر ہوا پیار کا شہر

اُس کی ہر بات میں ہوتا ہے کسی بھید کا رنگ
وہ طلسمات کا پیکر ہے کہ اسرار کا شہر

میری نظروں میں چراغاں کا سماں رہتا ہے
میں کہیں، جاؤں مرے ساتھ ہے دلدار کا شہر

یوں تری گرم نگاہی سے پگھلتے دیکھا
جس طرح کانچ کا گھر ہو مرے پندار کا شہر

دل کا آفاق سمٹتا ہی چلا جاتا ہے
اور پھیلے گا کہاں تک در و دیوار کا شہر

مسکراتے رہیں سینے کے دہکتے ہُوئے داغ
دائم آباد رہے درد کی سرکار کا شہر

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

دیکھتی رہ گئی محراب حرم
ہائے انسان کی انگڑائی کا خم

جب بھی اوہام مقابل آئے
مثل شمشیر چلی نوک قلم

پر پرواز پہ یہ راز کُھلا
پستیوں سے تھا بلندی کا بھرم

غم کی دیوار گری تھی جن پر
ہم وہی لوگ ہیں، اے قصر ارم

چاندنی غازۂ پائے جُولاں
کہکشاں جادۂ ابن آدم

ایک تارہ بھی نہ پامال ہُوا
ایسے گزرے رہ افلاک سے ہم

☆

دنیا والوں نے چاہت کا مجھ کو صلا انمول دیا
پیرو ں میں زنجیریں ڈالیں، ہاتھوں میں کشکول دیا

اتنا گہرا رنگ کہاں تھا رات کے میلے آنچل میں

یہ کس نے رو رو کے، گگن میں اپنا کاجل کھول دیا

یہ کیا کم ہے اس نے بخشا ایک مہکتا درد مجھے
وہ بھی ہیں جن کو رنگوں کا اک چمکیلا خول دیا

مجھ سا بے مایہ، اپنوں کی اور تو خاطر کیا کرتا
جب بھی ستم کا پیکاں آیا، میں نے سینہ کھول دیا

بیتے لمحے دھیان میں آ کر مجھ سے سوالی ہوتے ہیں
تو نے کس بنجر مٹی میں من کا امرت ڈول دیا

اشکوں کی اُجلی کلیاں ہوں یا سپنوں کے کُندن پھول
اُلفت کی میزان میں میں نے جو تھا سب کچھ تول دیا

☆

برگ دل کی طرح ہے زرد ہوا
پھانکتی ہے کہاں کی گرد ہوا

دل میں یادوں کا زہر گھول دیا
کتنی قاتل ہے بن کی سرد ہوا

روز لاتی ہے ان کہے پیغام
شہر خُوباں سے کوچہ گرد ہوا

ق

دم نہ مارے ، مری طرح جو سہے
اس زمانے کے گرم و سرد ہوا

میں ہوں شعلہ بجاں ،چراغ بدست
ڈھونڈ کر لائے مجھ سا فرد ہوا

سانس گھٹتی ہے شہر تن میں شکیب
کس خلا کی ہے رہ نورد ہوا

☆

روشن ہیں دل کے داغ ،نہ آنکھوں کے شب چراغ
کیوں شام ہی سے بجھ گئے محفل کے سب چراغ

وہ دن نہیں ،کرن سے کرن میں لگے جو آگ
وہ شب کہاں ،شراغ سے جلتے تھے جب چراغ

تیرہ ہے خنداں ،تو فلک کے بے نجوم ہے

لاے کیاں سے مانگ کے دست طلب چراغ

روشن ہے ضمیر آج بھی ظلمت نصیب ہے
تم نے دئے ہیں پوچھ کے نام و نسب چراغ

وہ تیرگی ہے دشت وفا میں کہ الاماں
چمکے جو موج ریگ تو پائے لقب چراغ

دن ہو اگر تو رات سے تعبیر کیوں کریں
سورج کو اہل ہوش دیکھا تے ہیں کب چراغ

اے باد تند ،وضع کے پابند ہم بھی ہیں
پتھر کی اوٹ لے کے جلائیں گے اب چراغ

☆

یہ جلوہ گاہ ناز تماشائیوں سے ہے
رونق جہاں کی انجمن آرائیوں سے ہے

روتے ہیں دل کے زخم تو ہنستا نہیں کوئی
اتنا تو فائدہ مجھے تنہائیوں سے ہے

دیوانۂ حیات کو اک شغل چاہیے

نا دانیوں سے کام نہ دانائیوں سے ہے

قید بیاں میں آئے جو نا گفتنی نہ ہو
وہ رابطہ کہ قلب کی گہرائیوں سے ہے

نادم نہیں ہوں داغ فرو مائیگی پہ میں
تیرا بھرم بھی میری جبیں سائیوں سے ہے

☆

دل میں لرزاں ہے ترا شعلہ رخسار اب تک
میری منزل میں نہیں رات کے آثار اب تک

پُھول مرجھا گئے، گُلدان بھی گر کر ٹوٹا
کیسی خوشبو میں بسے ہیں درو دیوار اب تک

وہ اُجالے کا کوئی سیل رواں تھا،کیا تھا
میری آنکھوں میں ہے اک ساعت دیدار اب تک

تیشہ غم سے ہوئی روح تو ٹکڑے ٹکڑے
کیوں سلامت ہے مرے جسم کی دیوار اب تک

☆

دشت صحرا اگر بسائے ہیں
ہم گلستاں میں کب سمائے ہیں

آپ نغموں کے منتظر ہوں گے
ہم تو فریاد لے کے آئے ہیں

ایک اپنا دیا جلانے کو
تم نے لاکھوں دیئے بجھائے ہیں

کیا نظر آئے گا، ابھی ہم کو
یک بیک روشنی میں آئے ہیں

یوں تو سارا چمن ہمارا ہے
پُھول جتنے بھی ہیں پرائے ہیں

☆

جس قدر خود کو وہ چُھپاتے ہیں
لوگ گرویدہ ہوتے جاتے ہیں

جو بھی ہمدرد بن کے آتے ہیں
غم کا احساس ہی جگاتے ہیں

عہدِ ماضی کے زر فشاں لمحے

شدتِ غم میں مسکراتے ہیں

خود کو بدنام کر رہا ہوں میں
ان پہ الزام آئے جاتے ہیں

اجنبی بن کے جی رہا ہوں میں
لوگ مانوس ہوتے جاتے ہیں

☆

چوٹ ہر گام پہ کھا کر جانا
قربِ منزل کے لیے مر جانا

ہم بھی کیا سادہ نظر رکھتے تھے
سنگ ریزوں کو جواہر جانا

مشعلِ درد جو روشن دیکھی
زخمِ خنداں کو گُلِ تر جانا

یہ بھی ہے کارِ نسیمِ سحری
پتی پتی کو جدا کر جانا

جسے حق میں وہی تلوار بنا
جسے اک پھول سا پیکر بنا

دشمنوں پر کبھی تکیے کر نا
اپنے سائے سے کبھی ڈر جانا

کاسے پر کبھی تکی کرنا
اپنے سائے سے کبھی ڈر جانا

کاسے سر کو نا دی زخم کی بھیک
اپنے سائے کبھی ڈر جانا

اس لیے اور بھی خاموش تھے هم
اهل محفل نے سخن ور جانا

☆

پاس رہ ر بھی بہت دور دوست
اپنے حالات سے مجبور هیں دوست

ترک الفت بھی نہیں کر سکتے
ساتھ دینے سے معذور هیں دوست

یہ چراغ اپنے لیے رهنے دے

تیری بھی تو ہے نور ھیں دو ست

سبھی پژ مردہ ہیں محفل میں شکیب
میں پریشا ن ھوں رنجوم ھیں دوست

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

# غیر مدوّن کلام

اس حصے میں شکیب جلالی کے اس کلام کو
شامل اشاعت کیا
گیا ہے جو روشنی اے روشنی ، کی پہلی
اشاعتوں میں شامل نہ ہو سکا

☆

موسم گُل ہے ، بھری برسات ہے
جام چھلکاؤ اندھیری رات ہے

رنج و غم میں زندگی پاتا ہوں میں
لطف اُن کا موجب صدمات ہے

اُٹھتے جاتے ہیں نگاہوں سے حجاب
جراتوں پر عالم جزبات ہے

کون سی منزل پہ لے آیا جُنوں
اب مجسم حُسن میری ذات ہے

گرد رخ زلفیں ہیں اُن کی یا شکیب

صبح کو گھیرے اندھیری رات ہے

☆

غم دل سنانے کو جی چاہتا ہے
تمہیں بھی رُلانے کو جی چاہتا ہے

یہ میں کس کا نقش قدم دیکھتا ہوں
یہ کیوں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے

سُلوک زمانہ سے تنگ آگیا ہوں
بیاباں بسانے کو جی چاہتا ہے

غم زندگانی سے اکتا گیا ہوں
مگر غم اٹھانے کو جی چاہتا ہے

کسی فتنہ خو کی تمنا تو دیکھو
مجھے بھول جانے کو جی چاہتا ہے

جبیں ہی رہے یا ترا سنگ در ہی
جنوں آزمانے کو جی چاہتا ہے

شکیب اس طرح کچھ قفس راس آیا
کہ گلشن جلانے کو جی چاہتا ہے

www.HallaGulla.com Virtual Home for Real People

☆

نقاب رخ اٹھایا جا رہا ہے
گھٹا میں چاند آیا جا رہا ہے

زمانے کی نگاہوں میں سمو کر
مجھے دل سے بھلایا جا رہا ہے

کہاں کا جام جب یاں ذوق مستی
نگاہوں سے پلایا جا رہا ہے

ابھی ارمان باقی ہیں کچھ دل میں
مجھے پھر آزمایا جا رہا ہے

پلا کر پھر شراب حسن و جلوہ
مجھے بے خود بنایا جا رہا ہے

سلامت آپ کا جور مسلسل
مرے دل کو دکھایا جا رہا ہے

شکیب اب وہ تصور میں نہ آہیں
کلیجہ منہ کو آیا جا رہا ہے

☆

یہ وفا کا صلہ دیا تم نے
غم کا خوگر بنا دیا تم نے

جام و مینا ہے ہر گھڑی درکار
رند گویا بنا دیا تم نے

ہوش دیدار بھی نہیں باقی
کیا نظر سے پلا دیا تم نے

غم ہستی اُٹھاتے پھرتا ہوں
خاک کو کیا بنا دیا تم نے

درد کی لذتیں، ارے توبہ
مر کے جینا سکھا دیا تم نے

بجلیو کچھ کمی ہے شاخوں کی
اک نشیمن جلا دیا تم نے

تم سے لطف و کرم کی کیا امید
ہنستے ہنستے رُلا دیا تم نے

درد میں اب خلش نہیں باقی
وین درماں بنا دیا تم نے

جس میں پنہاں شکیب تھا غم دل
وہ فسانہ سنا دیا تم نے

☆

ادھر ہے ضبط ادھر اک خیال ہے تو ہے
کہ تیری یاد میں تیرا وصال ہے تو ہے

مُحال فطرت انسان کو ہے پا بندی
کہ قید جسم شکستہ سا جال ہے تو ہے

ضیائے ماہ و کواکب ہے جس سے شرمندہ
مرا ہلال بہ اوج کمال ہے تو ہے

ترا جواب کہاں فتنہ قیامت میں
ستم ستم ہے، کرم، اک مثال ہے تو ہے

شکیب رات کے تاروں کی مسکراہٹ میں
ترا جلال ہے، تیرا کمال ہے، تو ہے

☆

آج بیمار محبت بھی فسانہ ہو گیا
ان کا آنا موت کا گویا نہانہ ہوگیا

ہر نفس پیشِ نظر رہتا ہے حسن روئے دوست
کیسے کہہ دوں ان کی فُرقت میں زمانہ ہوگیا

کہتے کہتے رُک گئے وہ جانے کیا ،میرے لیے
کچھ دل مضطر تعارف غائبانہ ہو گیا

اللہ اللہ جزبہ بلبل کی رنگ آمیزیاں
حسن الفت سے گُلستاں آشیانہ ہو گیا

وجہ تسکین تھا زمانے میں شکیب راز کو
ایک دل جو تیری نظروں کا نشانہ ہو گیا

☆

مریض غم کے سہارو، کوئی تو بات کرو
اُداس چاند ستارو، کوئی تو بات کرو

کہاں ہے ڈوب چکا اب تو ڈوبنے والا
شکستہ دل سے کنارو،کوئی تو بات کرو

مرے نصیب کو بربادیوں سے نسبت ہے
لُٹی ہوئی سی بہارو، کوئی بات کرو

کہاں گیا وہ تمہارا بلندیوں کا جنون
بجھے بجھے سے شرارو، کوئی تو بات کرو

اسی طرح سے عجب کیا جو کچھ سُکون ملے
غمِ فراق کے مارو، کوئی تو بات کرو

تمہارا غم بھی مٹاتی ہیں مستیاں کہ نہیں
شرابِ ناب کے مارو، کوئی تو بات کرو

تمہاری خاک اُڑاتا نہیں شکیب تو کیا
اُداس راہ گزارو کوئی تو بات کرو

☆

وعدوں کو اپنے کس لیے ایفا کرے کوئی
کیوں میرے دردِ دل کا مُداوا کرے کوئی

کس طرح ان کے جور کا شکوی کرےکوئی
توہینِ عشق کیسے گوار کرے کوئی

پہلو ہزار عیش کے نکلیں گے رنج میں

یہ شرط ہے کہ رنج گوارا کرے کوئی

اے چشمِ شوق یاد بھی ہے داستانِ طور
جلووں کا ان سے کیسے تقاضا کرے کوئی

اپنی حدوں سے آج گزرتا ہے ذوقِ دید
اب ہو سکے شکیب تو پروا کرے کوئی

☆

گلہائے صبر وضبط کا خواہاں بنا دیا
داغِ جگر کو رشکِ گُلستاں بنا دیا

پابندیوں نے موت کا ساماں بنا دیا
قلبِ حزیں کو تلخیِ زنداں بنا دیا

جلووں نے ان کی دید کا ساماں بنا دیا
میرے تصورات کو عریاں بنا دیا

منظور تھی جو شانِ کریمی کو بندگی
خالق نے مُشتِ خاک کو انساں بنا دیا

مایوسیوں نے دل کا سفینہ ڈبو کے آج
افسوس ایک موج کو طوفاں بنا دیا

اللہ رے فریبِ تصور کی خوبیاں
دشواریِ فراق کو آساں بنا دیا

دیکھا شکیب نقطے جما کر بنائے حرف
حرفوں سے شعر، شعر سے دیواں بنا دیا

☆

یہ جھاڑیاں ، یہ خار، کہاں آگیا ہوں میں
اے حکمِ شہر یار، کہاں آگیا ہوں میں

ہر عندلیب مرگِ تبسم پہ نوحہ خواں
ہر پھول سوگوار، کہاں آگیا ہوں میں

کیا واقعی نہیں ہے یہ موسیقیوں کا شہر
کیوں چُپ ہیں نغمہ کار، کہاں آگیا ہوں میں

پُھولوں کی سر زمیں ہے نہ خوشبو کی رہ گزر
اے حسرتِ بہار، کہاں آگیا ہوں میں

جا تو رہا تھا چشمۂ آبِ حیات پر
یہ دھول ، یہ غبار ، کہاں آگیا ہوں میں

رہ زن مجھی سے پوچھ رہے ہیں مرا پتہ
اے حسن اعتبار کہاں آگیا ہوں میں

☆

لے کے پہنچے گا کبھی تو جزبہ کامل مجھے
کھائے جاتی ہے مگر کیوں دوری منزل مجھے

یوں تو کہنے کو چلا چلتا ہوں سوئے بزم دوست
راس کیوں آنے لگی پابندی محفل مجھے

کر رہے تھے کیا ذرا کھاؤ تو آنکھوں کی قسم
کھیل دل کا کھیلتے تھے دیکھ کر غافل مجھے

اس طرح اس نے کیا ہے شیشہ دل چور چور
ذرے ذرے میں نظر آتا ہے اکثر دل مجھے

تھک کے آخر رہ گئی یہ سوچ کر سعی عمل
لے نہ ڈوبے نزد ساحل شورش ساحل مجھے

اک طلاطم سا بپا ہے ماہ پاروں کے قریب
دیکھ کر شاید بلندی کی طرف مائل مجھے

کیسی کیسی اُلجھنیں ہیں باریابی میں شکیب
باگاہ عشق میں دل کر گیا گھائل مجھے

☆

زمانے کو پہلی سی فطرت نہیں ہے
محبت بقدر محبت نہیں ہے

نقاب اپنے رخ سے اٹھاتے تو ہیں وہ
مگر میری نظروں کو فرصت نہیں ہے

تلاطم میں پاتا ہوں میں امن ساحل
مجھے امن ساحل سے محبت نہیں ہے

یہ ہیں اہل دنیا کے دلچسپ دھوکے
کسی کو کسی سے محبت نہیں ہے

نہ ہو جس میں بے لوث کوئی بھی سجدہ
خدا جانے کیا ہے، عبادت نہیں ہے

زمانے میں انساں ہے انساں کا دشمن
شکیب حزیں اتنی فرصت نہیں ہے

☆

کیا چیز ہے یہ سعیِ پیہم، کیا جذبۂ کامل ہوتا ہے
اللہ کو اگر منظور نہ ہو ہر مقصد باطل ہوتا ہے

اک ٹیس سی پیہم پاتا ہوں، کیا اس کو محبت کہتے ہیں
محسوس مجھے میٹھا میٹھا کچھ درد سا اے دل ہوتا ہے

تسکین کو دھوکا دیتے ہیں، ناکام تمنا یہ کہہ کر
ہر گام پہ منزل ہوتی ہے، ہر موج میں ساحل ہوتا ہے

یہ رنج و الم ہی میرے لیے اب زیست کا عنواں ہیں ہمدم
اس دنیا میں پہلے پہلے ہر کام ہی مشکل ہوتا ہے

تسکین ہی کیوں مل جاتی ہے مضراب دست شوق مجھے
ہر تار گریباں کیا احشت کے ساز کا حامل ہوتا ہے

دھیرے دھیرے چلنے والے یہ راہ روی کو کیا جانیں
جو تھک کر راہ میں بیٹھ گیا ہو صاحب منزل ہوتا ہے

کیا کم ہے شکیب زار جو حسن دوست سے نسبت رکھتا ہو
جس دل میں نہ ہو الفت کی تڑپ کس کام کا وہ دل ہوتا ہے

☆

وفا کا صلہ ہم جفا پا رہے ہیں
بڑا ہی کرم آپ فرما رہے ہیں

یہ بحرِ حوادث کے پرشور دھارے
ڈبو کر مجھے خود بھی پچھتا رہے ہیں

بہار آئی ہے اور آتی رہے گی
مگر وہ گُلِ تر جو مُرجھا رہے ہیں

ابھی عزمِ صحرا نوردی کہاں ہے
پیاماتِ منزل چلے آرہے ہیں

نہ دنیا، نہ عقبیٰ، نہ خلد ان کا مسکن
شہیدِ محبت کہاں جا رہے ہیں

غمِ جاوداں ہے محبت کا ساحل
محبت میں ہم زندگی پا رہے ہیں

شکیب ان کی ہر بات عین یقیں ہے
خدا جانے کیوں وہ قسم کھا رہے ہیں

☆

تمہارے عشق میں مجبور و بے قرار ہوں میں
بس اک نگاہ کرم کا امیدوار ہوں میں

مسرتیں ہیں زمانے کو اور الم مجھ کو
کسی نرالے مصور کا شاہکار ہوں میں

کسی کی شانِ کریمی کی لاج رہ تو گئی
گنہ نہ کرنے کا بیشک گناہ گار ہوں میں

ستم ظریفیِ دوراں، ارے معاذ اللہ
گُلوں کی طرح سے اک قلب داغدار ہوں میں

تری نگاہ کرم نے شگفتگی دے دی
وگر نہ دیر کی اجڑی ہوئی بہار ہوں میں

چلے بھی آہیں خدارا کہ وقت آخر ہے
ازل سے آپ کا تصور انتظار ہوں میں

نہ جانے لوگ مجھے کیوں شکیب کہتے ہیں
کسی کی یاد میں ہر وقت بے قرار ہوں میں

☆

ان کی نقاب ہی رہے حسن طلب اٹھا کے ہم
جرات جزب ذوق دید مانے تو آزما کے ہم

جن کو یقین ہی نہ ہو ان سے الم کا ذکر کیا
پرسش حال زار پر رہ گئے مسکرا کے ہم

فرط خوشی ہے یا فقط وہم و خیال کا سراب
منزل زیست کے نشاں کھو سے گئے ہیں پا کے ہم

خطرہ برق و باد ہے اور نہ فکر آشیاں
بیٹھ گئے ہیں آشیاں اپنا ہی خود جلا کے ہم

زیست کی غم سے نسبتیں کام ہی آج آگئیں
ہر غم بے پناہ پر رہ گئے مسکرا کے ہم

ایسے بھی داغ عشق نے بخشے ہیں قلب زار کو
چاہیں بھی گر شکیب تو رکھ نہ سکیں چھپا کے ہم

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

جس وقت فصل گل کی قفس میں خبر گئی
اک موج وحشیوں پہ ستم کی گزر گئی

تنکے کی طرح بہہ گیا ہر ساحل مراد
طوفان غم امید کی کشتی کدھر گئی

وہ سن کے میرا قصہ غم ایسے رو دیے
جیسے گلوں پہ شبنم گریاں بکھر گئی

کیا جانیے کہ مجھ کو نہیں اعتماد کیوں
تارے تو کہہ رہے ہیں شب غم گزر گئی

قسمت میں ڈوب جانا ہی تھا ایک دن شکیب
ہاں، آبروئے شورش طوفاں مگر گئی

☆

بد قسمتی کو یہ بھی گوارا نہ ہو سکا
ہم جس پہ مر مٹے وہ ہمارا نہ ہو سکا

رہ تو گئی فریب مسیحا کی آبرو
ہر چند غم کے ماروں کا چارہ نہ ہو سکا

خوش ہوں کہ بات شورش طوفاں کی رہ گئی

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

اچھا ہوا نصیب کنارا نہ ہو سکا

بے چارگی پہ چارہ گری کی ہیں تہمتیں
اچھا کسی سے عشق کا مارا نہ ہو سکا

کچھ عشق ایسی بخش گیا بے نیا زیاں
دل کو کسی کا لطف گوارا نہ ہو سکا

فرط خوشی نقاب کسی نے مگر شکیب
جب ان کا التفات گوار نہ ہو سکا

الٹی تو تھی نقاب کسی نے مگر شکیب
دعووں کے باوجود نظارہ نہ ہو سکا

☆

مفلسوں کی پکار ہے دنیا
رنج و غم کی شکار ہے دنیا

کیا بتاؤں کہ اپنی حالت کی
خود ہی آئینہ دار ہے دنیا

حال باطن کسی کو کیا معلوم

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

ظاہرا دوست دار ہے دنیا

کہہ رہی ہے خزاں کی مایوسی
اک فریب بہار ہے دنیا

اُنس و اُلفت، خلوص و غیرت کا
دامن تار تار ہے دنیا

اک زمانہ ہے صدا الم بردوش
جانے کس کی بہار ہے دنیا

ذرہ ذرہ شکیب ہے بے چین
قلب کا انتشار ہے دنیا

☆

زمانے میں نہیں باقی کوئی نام ونشاں اب تک
نہ جانے مٹ چکی ہیں کیسی کیسی ہستیاں اب تک

متاع و مال، کیا عزت بچا لینا بھی مشکل ہے
مسلمانوں کا قدرت لے رہی ہے امتحاں اب تک

ستم کوشی پہ نازاں ہیں یہ کفروشرک کے بندے

الٰہی کیسے قائم ہیں زمین و آسماں اب تک

دلا کر یاد رفعت عہد ماضی کی مسلماں کو
تعجب کیا جو طعنہ دے رہی ہیں پستیاں اب تک

شکیبِ زار کچھ ایسی اُلجھ کر رہ گئی ہستی
نہ سلجھیں سعی پیہم سے اپنی گُتھیاں اب تک

☆

دوش ہستی پہ بار ہے انساں
گو کہ مشت غبار ہے انساں

گر اصول حیات ہو مفقود
چلتا پھر مزار ہے انساں

سیم و زر کا بھلا ہو جس کے طفیل
آج کل باوقار ہے انساں

جس کو سجدہ کیا فرشتوں نے
وہ ہی خاک و غبار ہے انساں

درد،غم اور کُلفتیں توبہ
تلخی صد خمار ہے انساں

http://www.hallagulla.com/urdu/

صرف آدم کی ایک لغزش پر
آج تک اشک بار ہے انساں

غم کے ماروں سے پوچھیے تو شکیب
صاحب اختیار ہے انساں

☆

رنگینیِ حیات کے مارو جواب دو
کیوں ہنس رہے ہو چاند ستارو، جواب دو

کیا مل گیا غریب کی دنیا اُجاڑ کے
بولو تو اے لرزتے شرارو، جواب دو

کشتی ڈبو ہی سکتا ہوں طوفاں نہیں تو کیا
ہو کس لیے اُداس کنارو، جواب دو

بربادیاں سُکون بداماں ہیں یا نہیں
کچھ تو خزاں رسیدہ بہارو، جواب دو

کیا تلخیِ حیات سے دلکش ہے تلخ ہے
اے تلخیِ شراب کے مارو، جواب دو

کیا میری آہ تم سے الجھتی ہے راہ میں؟
سہمے ہوئے سے چاند ستارو، جواب دو

تھیں کس کے دم قدم سے یہاں کی وہ رونقیں
میری اُداس راہ گزارو جواب دو

کیا عزم سُوئے صحن گلستاں ہے آج یا؟
آئی ہو میرے پاس بہارو، جواب دو

عزم شکیب زار سے ضد تو نہیں تمہیں
یہ اہتمام کس لیے دھارو، جواب دو

☆

ساغر چشم سے سرشار نظر آتے ہیں
بہکے بہکے جو یہ مے خوار نظر آتے ہیں

گُلفتیں آج بھی قائم ہیں قفس کی شاید
گُلستاں حامل افکار نظر آتے ہیں

خود ہی آتی ہے مسرت انہیں مژدہ دینے

جو ہر اک غم کے سزاوار نظر آتے ہیں

بے سہارا جو گزر جاتے ہیں طوفاں سے
کچھ یہاں ایسے بھی خودار نظر آتے ہیں

جن مراحل کو سمجھنے سے خرد قاصر ہے
وہ جنوں کے لیے شاہکار نظر آتے ہیں

کب ثروت ہی شکیب آج کا فن ہے شاید
طالب زر مجھے فنکار نظر آتے ہیں

☆

ہر ایک مت ہے تعمیر نکتہ داں کے لیے
مٹے ہیں لاکھوں ستارے ہی کہکشاں کے لیے

یہ بہکی بہکی سی باتیں یہ مضمحل نظریں
سکوں نواز نہ بن جاہیں نیم جاں کے لیے

غرض کے واسطے جیتی ہے فطرتا دنیا
بہار پھال کھلاتی نہیں خزاں کے لیے

خوشی زمانے کو مرغوب ہی سہی لیکن
الم حسین ہے عنوان داستاں کے لیے

خرام ناز ، نظر مست، منتشر زلفیں
یہ اہتمام ہے کیوں، کس لیے، کہاں کے لیے

حقائق حرم اُلفت کبھی چھپے ہیں شکیب
بیان کیسے بدلتا میں رازداں کے لیے

☆

پہلو ہی جب سے دل ناشاد نہیں ہے
دنیائے تخلیل میری آباد نہیں ہے

نکلے جو اناالحق کی صدا حرکت دل سے
ایمان کی تکمیل ہے الحاد نہیں ہے

اچھا ہے کہ تم بھول گئے میری وفائیں
مجھ کو بھی کوئی جور و ستم یاد نہیں ہے

اے لفظ مسرت تجھے غم ہی سے بدل دوں
خوداری دل طالب امداد نہیں ہے

ہے مظہر انوار ازل ذوق شکیب اور
بد ذوق یہ کہتا ہے خدادار نہیں ہے

☆

وحشت کے ان معماروں سے بنیاد ایواں ٹوٹ گئی
دیوانوں کی تکراروں سے خاموشی بیاباں ٹوٹ گئی

اے عزم جواں شورش کیسی اب تک تو یہ سنتے آئے ہیں
دو نازک سی پتواروں سے ہر جرات طوفاں ٹوٹ گئی

تخئیل کی در پردہ ضربیں وحشی کا سہارا بن ہی گئیں
زنجیروں کی جھنکاروں سے پابندی زنداں ٹوٹ گئی

زنداں کی اندھیری راتوں میں جینے کا سہارا ختم ہوا
افسوس کہ ان بیچاروں سے تصویر گلستاں ٹوٹ گئی

دیوانوں نے آخر گلشن رو رو کے بیاباں کر ڈالا
آنکھوں کے لرزتے پاروں سے دیوار گلستاں ٹوٹ گئی

قسمت زی کرشمہ سازی تھی یا لُطف وکرم ملاحوں کا
ٹکرا کر خشک کناروں سے پروردۂ طوفاں ٹوٹ گئی

دکھ درد کے ماروں کا ہر غم، ساغر کی کھنک میں ڈوب گئی
پیمانوں کی جھنکاروں سے فکر غم دوراں ٹوٹ گئی

بارِ غمِ اُلفت اُٹھ نہ سکا، کم ظرفوں کی نبضیں چھوٹ گئیں
افسوس ہے ان بیماروں سے توقیرِ غمِ جہاں ٹوٹ گئی

ہستیِ شکیبِ زار کو رنج و غم کے ہی چرکے کافی تھے
ان نازک سی دیواروں سے تعمیرِ دل و جاں ٹوٹ گئی

☆

رُخسار آج دھو کر شبنم نے پنکھڑی کے
کچھ اور بخش ڈالے انداز دلکشی کے

ایثار، خود شناسی، توحید اور صداقت
اے دل ستون ہیں یہ ایوانِ بندگی کے

رنج و الم میں کچھ کچھ آمیزشِ مسرت
ہیں نقش کیسے دلکش تصویرِ زندگی کے

فرضی خدا بنائے، سجدے کئے بُتوں کو
اللہ رے کرشمے احساسِ کمتری کے

قلب و جگر کے ٹکڑے یہ آنسوؤں کے قطرے
اللہ راس لائے حاصل ہیں زندگی کے

صحرائیوں سے سیکھے کوئی رُموز ہستی
آبادیوں میں اکثر دشمن ہیں آگہی کے

جانِ خلوص بن کر اے شکیب اب تک
تعلیم کررہے ہیں آداب زندگی کے

☆

اک معما سمجھ کے بھول گئے
خود کو اتنا سمجھ کے بھول گئے

مرنے والے جہاں رنگیں کو
اک تماشا سمجھ کے بھول گئے

میری آنکھوں کی التجاؤں کو
آپ شکوی سمجھ کے بھول گئے

یاد میری بلا کرے ان کو
وہ مجھے کیا سمجھ کے بھول گئے

یوں تو غیروں پہ بھی عنایت ہے
مجھ کو اپنا سمجھ کے بھول گئے

www.HallaGulla.com Virtual Home for Real People

بے سہارا سمجھ کے یاد کیا
رسم دنیا سوجھ کے بھول گئے

ان کا بخشا ہوا الم بھی شکیب
لطف بیجا سمجھ کے بھول گئے

☆

تم نے تقدیریں جگا مرے ارمانوں کی
رشک کرتی ہیں فضاہیں بھی زبستانوں کی

لاکھ تم بُھولو نگر رنج کی زد پر آکر
یاد آجاتی ہے بھولے ہوئے انسانوں کی

ہوں گے منظر یہی خا کے یہی، کردار یہی
سُرخیاں صرف بدل جاہیں گی افسانوں کی

ڈگمگا جاتے ہیں اب تک مری تو بہ کے قدم
یاد جب آتی ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی

آپ کو میری قسم،آپ نہ ہوں آزردہ
کیا ہُوا، لٹ گئی دُنیا مرے ارمانوں کی

پھر شکیب آج مری زیست پہ غم حاوی ہے
پھر بدلنے لگی سُرخی مرے افسانوں کی

☆

یہ کہتا ہے خانہ خراب اٹھتے اٹھتے
نظر ہی سے ساقی شراب اٹھتے اٹھتے

گھٹا جیسے گھر آئے ماہ جبیں پر
گری اس طرح سے نقاب اٹھتے اٹھتے

ذرا فلسفہ زندگی کا سمجھتے
کدھر چل دیے یہ حُباب اٹھتے اٹھتے

ابھی سے اٹھاہیں گے تو شاید اٹھیں گے
قیامت میں مست شراب اٹھتے اٹھتے

شب وصل بیٹھے ہیں محجوب سے وہ
اٹھے گا مگر یہ حجاب اٹھتے اٹھتے

شکیب آزمانے کو کشتی کی جرات
بھنور بن گئی موج آب اٹھتے اٹھتے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

ایک ادنی سی توجہ جو کسی کے دل میں ہے
اک چراغ رہ گزر ہے جو مری منزل میں ہے

راستے کی گُلفتوں پر ہنس رہے ہیں آبلے
کون جانے لُطف کتنا دوری منزل میں ہے

ان کی تصویروں میں پاتا ہوں ابھی تک دلکشی
کچھ نہ کچھ احساس اپنا بھی کسی کے دل میں ہے

تلخی ایام سے گھبرا کے بھولا تھا تمہیں
ان نہیں معلوم کیوں دل کا سکوں مشکل میں ہے

ہم کو جانے کیا سمجھ کر وہ بھلا بیٹھے شکیب
پھر بھی ان کی یاد جانے کیوں ہمارے دل میں ہے

☆

بے جا نواز شات کا بار گراں نہیں
میں خوش ہوں اس لیے کہ کوئی مہرباں نہیں

آغوش حدثات میں پائی ہے پرورش
جو برق پھونک دے وہ مرا آشیاں نہیں

کیوں ہنس رہے ہیں راہ کی دشواریوں پہ لوگ؟
ہوں بے وطن ضرور مگر بے نشاں نہیں

گھبرایئے نہ گردشِ ایام سے ہنوز
ترتیبِ فصلِ گُل ہے یہ دورِ خزاں نہیں

کچھ برق سوز تنکے مجھے چاہیں شکیب
جھک جاہیں گُل کے بارے سے وہ ڈالیاں نہیں

☆

آئینہ جمال دکھایا نکھار کے
جلوے کسی کے میری نظر نے سنوار کے

میں اوجِ کہکشاں سے بھی آگے نکل گیا
کچھ حوصلے بڑھے تھے مرے اعتبار کے

دیتا ہے ذرہ ذرہ چمن کا سبق ہمیں

شبنم مٹی مگر گُل و ریحاں نکھار کے

گُل کو، چمن کو، سبزے کو، کہہ کر جُدا جُدا
انساں نے کر دیے کئی ٹکڑے بہار کے

رنگینیِ حیات کا کیا تذکرہ شکیب
دُھندلے سے ہیں نقوش فریبِ بہار کے

☆

حُسن میں جب سے بے رُخی نہ رہی
آرزو میں بھی سادگی نہ رہی

ان کا غم جب سے راس آیا ہے
زیست میں کوئی دلکشی نہ رہی

آپ سے ایک بات کہنی ہے
لیجیے مجھ کو یاد بھی نہ رہی

کہہ رہی ہے بہ چشمِ تر شبنم
مُسکرا کر کلی، کلی نہ رہی

جب کبھی وہ شکیب یاد آئے
چاند تاروں میں روشنی نہ رہی

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

میری ناکامی کا افسانہ بھی کیا افسانہ تھا
بجھ رہی تھی محفل رقص میں پروانہ

ملتی جلتی داستان وجہہ غلط فہی ہوئی
آپ شرمندہ نہ ہوں یہ میرا ہی افسانہ تھا

کشمکش کی زد میں تھا انسان کا ذوق بندگی
ایک جانب تیرا کعبہ ،اک طرف بت خانہ تھا

میرے غم انگیز نغمے جان محفل بن گئے
ورنہ تیرا ساز مطرب سوز سے بیگانہ تھا

ان کی آنکھوں نے بخشا تھا کیف بے خودی
زندگی مسرور تھی اور وجد میں مے خانہ تھا

آبدیدہ ہوگئے اہل ستم بھی اے شکیب
ہائے کتنا سوز میں ڈوبا ہوا افسانہ تھا

☆

نقاب اٹھنے پہ ہر ارادہ تھا رائگاں آ رہا ہے
کسی کے جلووں کی زد پہ نظروں کا امتحان یاد آ رہا ھے

زہے مسرت میری خوشی سے کبھی چمن مسکرا دیا تھا
زہے تصور وہ مسکراتا ہوا سماں یاد آ رہا ہے

بہار آئی ہے پھر چمن میں گھٹائیں گھر گھر کے آ رہی ہیں
سجود ریزی پہ بجلیلوں کی آشیاں یاد آ رہا ہے

کلی کلی گیت گا رہی بہار کی دل فریبوں کے
ستم ظریفی تو دیکھیے مجھ کو آسماں آ رہا ہے

کسی مسافر کی آرزو میں نشان منزل بھٹک رہے ہیں
کسی مسافر کو شام غربت میں کارواں آ رہا ہے

چمن کی رنگینیاں سمٹ کر مرے تخیل پہ چھا گئی ہیں
مجھے برنگ بہار پھر کوئی مہرباں یاد آ رہا ہے

جہاں کہ ازن سجود پا کر جبین کو میں نے اٹھا لیا تھا
قدم قدم پر شکیب مجھ کو ہو آستاں یا آ رہا ہے

مارچ ۱۹۵۱ء

☆

خوشی کی بات نہیں ہے کوئی فسانے میں
وگر نہ عذر نہ تھا آپ کو سُنانے میں

یہ منتشر سے اُجالے ،یہ زندگی ،یہ سُکوت
تمھیں پکار کے آئے ہیں اک زمانے میں

چمن سے دور تھے لیکن بہار ساماں تھے
کچھ ایسے پھول بھی پیدا ہوئے زمانے میں

ضرور دھوکے میں منزل سے دور آپہنچے
جھجک رہا ہے بہت راہبر بتانے میں

شکیب میری خوشی سے کبھی جو خوش نہ ہوئے
مجھے سُرور ملا ان کے مسکرانے میں

مارچ ۱۹۵۱ء

☆

نظر پھر حضور خرابات آئی
مری توبہ کی خیر برسات آئی

اُدھر ان کے لب پہ مری بات آئی
ادھر رقص میں روحِ نغمات آئی

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

وہ جب سے گئے ہیں خدا جانتا ہے
نہ وہ چاند نکلا نہ وہ رات آئی

کبھی صبحِ خنداں نے آنسو بہائے
کبھی مُسکراتی ہوئی رات آئی

ہر اک گام پر جراتیں کہہ رہی ہیں
یہ منزل بطورِ نشانات آئی

صراحی اٹھائی نہ ساغر سنبھالے
عجب شان سے اپنی برسات آئی

وہ خودرازداں بن کے آئے تھے لیکن
زباں تک نہ دل کی کوئی بات آئی

مجھے ان کے وعدے پہ بالکل یقیں تھا
مگر جب ستاروں بھری رات آئی

نہ کہتا شکیب ان سے حالِ غمِ دل
مگر کیا کروں بات پر بات آئی

مارچ ۱۹۵۱ء

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

کبھی حسن گُل و لالہ کبھی رنگ خزاں ہم ہیں
بہر صورت نمایاں گلستاں در گلستاں ہم ہیں

نرالا ہے زمانے ہی سے ذوق رہ روی اپنا
امیر کارواں ہم ہیں نہ گرد کارواں ہم ہیں

حوادث کی کشاکش ہے، وہ ساحل ہے، یہ طوفاں ہے
زمانہ جن سے بچتا ہے انہیں کے درمیاں ہم ہیں

ہمارا ذوق خود بینے یہاں پر جلوہ ساماں ہے
اگر سچ پوچھیے تو رونق بزم جہاں ہم ہیں

جنوں میں ایک سجدہ وسعت عالم پہ حادی ہے
شکیب اس درجہہ گویا بے نیاز آستاں ہم ہیں
اپریل ۱۹۵۱ء

☆

خرد فریب نظاروں کی کوئی بات کرو
جنوں نواز بہاروں کی کوئی بات کرو

کسی کی وعدہ خلافی کا ذکر خوب نہیں
مرے رفیق ستاروں کی کوئی بات کرو

زمانہ ساز زمانے کی بات رہنے دو
خلوصِ دوست کے ماروں کی کوئی بات کرو

گھٹا کی اوٹ سے چھپ کر جو دیکھتے تھے ہمیں
انہیں شریر ستاروں کی کوئی بات کرو

زمانہ ذکرِ حوادث سے کانپ اٹھتا ہے
سُکوں بدوش کناروں کی کوئی بات کرو

نہیں ہے حدِ نظر تک وجودِ ساحل کا
فضا مہیب ہے دھاروں کی کوئی بات کرو

سلامِ شوق لیے تھے کسی نے جن سے شکیب
انہیں لطیف اشاروں کی کوئی بات کرو

اپریل ۱۹۵۱ء

☆

وہ نظر سے سلام کرتے ہیں
عشق کا احترام کرتے ہیں

اس قدر وہ قریب ہیں مجھ سے
بے رخی سے کلام کرتے ہیں

جن سے پردہ پڑے تعلق پر
ایسے جلووں کو عام کرتے ہیں

منزلیں تو نشان منزل ہیں
راہ رو کب قیام کرتے ہیں

غم دوراں بھاگنے والے
مے کدے میں قیام کرتے ہیں

اہل طوفاں جمود ساحل کو
دور ہی سے سلام کرتے ہیں

کھنچ کے منزل شکیب آتی ہے
خود کو جب تیز گام کرتے ہیں

مئی ۱۹۵۱ء

☆

خواب آلودہ ہے ماحول طرب خانے کا
اک نیا دور ہو ساقی نئے پیمانے کا

وہ اگر اپنی نگاہوں سے اشارہ کردیں
لُطف آجائے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

جام دیتے ہوئے نظریں نہ ملا اے ساقی
پھر چھلک جائے گا ساغر کسی دیوانے کا

دو نگاہوں کا تصادم دو دلوں کی فریاد
وہ ہے آغاز یہ انجام ہے افسانے کا

یہ بدلتا ہوا موسم، یہ اداسی، یہ سکوت
اک تصور ہے گُلستاں میں بھی ویرانے کا

ایسی باتوں کا نہ کہنا ہی مناسب ہے شکیب
دل کہیں ٹوٹ نہ جائے کسی دیوانے کا

جون ۱۹۵۱ء

☆

بڑھے گا جو طوفان میں بے سہارے
نوازیں گے بھڑ کر اسے خود کنارے

جوانی سے ٹکرا رہ جوانی
تمنا میں حل ہو رہے ہیں شرارے

نگائیں اٹھا کر کسی نے جو دیکھا

وہیں دم بخود ہو گئے ماہ پارے

سنا جب کسی نے مرا قصہ غم
گرے آنکھ سے ٹوٹ کر دو ستارے

حوادث میں ملتی ہے مجھ کو مسرت
میں طوفان میں پیدا کروں کنارے

وہ دن میں فُرقت واُلفت ہیں ہمدم
کہ جو میں نے فرقت میں ان کی گزارے

ہوا جن پہ نفرت کا دھوکا جہان کو
محبت نے ایسے بھی کچھ روپ دھارے

زرا کوئی ساز محبت تو چھیڑے
عجب کیا جو گانے لگیں یہ نظارے

کہیں محور غم ، کہیں روح نغمہ
شکیب ان کی نظروں کے رنگین اشارے
جون۱۹۵۱ء

☆

نہ ساحل پہ مرنا نہ طوفاں میں جینا

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

کب آزاد ہے زندگی کا سفینہ

لُٹایا جو آنکھوں نے غم کا خزینہ
ہوگیا راز دل کا دفینہ

محبت کے آنسو بڑے قیمتی ہیں
چمکتا ہے ان سے وفا کا نگینہ

نگاؤں کے آغوش میں خود کو پا کر
حیا ہورہی ہے پسینہ پسینہ

یہ پت جھڑ کا موسم یہ سنسان گلشن
ہو جیسے پریشان حال ایک حسینہ

عزائم کو بیدار کرنے کے خاطر
چٹاؤں سے ٹکرارہا ہو ں سفینہ

اُٹھاوں نہ پردے رُخِ آتشیں سے
نگاؤں کو آنے لگا ہے پسینہ

گوارہ نہیں ہے ان کی رسوئی دل کو
نہ دیکھو یہ ٹوٹا ہوا آبگینہ

شکیب اہل دنیا کے اطوار دیکھئے
لبوں پہ تبسم ،دلوں میں کینہ

http://www.hallagulla.com/urdu/

جون ۱۹۵۱ء

☆

عشق کے غمگسار ہیں ہم لوگ
حسن کے راز ہیں ہم لوگ

دست قدرت کو ناز ہے ہم پر
وقت کے شاہکار ہیں ہم لوگ

ہم سے قائم ہے گلستان کا بھرم
آبرو ہے بہار ہے ہم لوگ

منزلیں ہیں ہمارے قدموں میں
حاصل راہ گزار ہیں ہم لوگ

ہم سے تنظیم ھے زمانے کی
محور روزگار ہیں ہم لوگ

ہم جو چاھیے گے اب وہی ہوگا
صاحب اختیار ہیں ہم لوگ

ہم سے روشن ھے کائنات شکیب
اصل لیل ونہار ہیں ، ہم لوگ

جولائی ۱۹۵۱ء

☆

رقص نغمات سے بغاوت ہے
اب جمالات سے بغاوت ہے

غم کا ماحول جو بدل نہ سکیں
ایسے نغمات سے بغاوت ہے

میرے احساس کے اُجالوں کو
چاندنی رات سے بغاوت ہے

حسن سے انتقام لینا ہے
دل کی ہر بات بغاوت ہے

جن سے اعصاب مضمحل ہو جائیں
ان غزلیات سے بغاوت ہے

قلب کی واردات جن میں نہ ہو
ان حکایات سے بغاوت ہے

جو کہ فکر عمل سے عاری ہوں

ان روایات سے بغاوت ہے

وقت کے ساتھ جو بدل نہ سکیں
ایسے حالات سے بغاوت ہے

جو نہ سمجھیں نئے تقاضوں کو
ان خیالات سے بغاوت ہے

غم کی خودداریاں شکیب نہ پوچھ
اب شکایت سے بغاوت ہے
اگست ۱۹۵۱ء

☆

حسن کو عشق کی ضرورت ہے
حسن کی زندگی محبت ہے

کیوں اٹھے جارہے ہو محفل سے
کیا قیامت ہے، کیا قیامت ہے

آپ برہم نہ ہو تو میں کہہ دوں
آپ سے مجھے کچھ شکایت ہے

پوچھ لو مجھ سے کائنات کا حال
دل کے ہاتھوں میں نبض فطرت ہے

جاگ اٹھیں مری تمنائیں
مسکرانا ترا قیامت ہے

ظلم کو جو کہ زندگی بخشے
ایسی فریاد سے بغاوت ہے

میں جو چاہوں جہاں پہ چھا جاؤں
جزبہ دل مرا سلامت ہے

سن کے بولے وہ میرا حال شکیب
کچھ فسانہ ہے، کچھ حقیقت ہے

ستمبر ۱۹۵۱ء

☆

جب بھی گُلشن پہ گھٹا چھائی ہے
چشم مے گوں تری یاد آئی ہے

کس کے جلووں کو نظر میں لاؤں
حسن میرا خود تماشائی ہے

آپ کا ذکر نہیں تھا لیکن
بات پر بات نکل آئی ہے

زندگی بخش عزائم کی قسم
ناؤ ساحل کو بہا لائی ہے

مرگ و ہستی کا مٹا کر احساس
زندگی موت سے ٹکرائی ہے

مجھ کو دنیا کی محبت پہ شکیب
اکثر اوقات ہنسی آئی ہے

اکتوبر ۱۹۵۱ء

☆

وہ دیکھ لیں تو نظاروں میں آگ لگ جائے
خدا گواہ بہاروں میں آگ لگ جائے

جو لُطف شورش طوفاں تمہیں اٹھانا ہے
دعا کرو کہ کناروں میں آگ لگ جائے

نگاہ لُطف و کرم دل پہ اس طرح ڈالو
بجھے بجھے سے شراروں میں آگ لگ جائے

نظر اٹھا کے جُنوں دیکھ لے اگر اک بار
تجلیات کے دھاروں میں آگ لگ جائے

بہار ساز ہے میری نظر کی ہر جُنبش
مری بلا سے بہاروں میں آگ لگ جائے

کسی کے عزم مکمل کی آبرو وہ جائے
اگر تمام سہاروں میں آگ لگ جائے

گُلوں کے رُخ سے شرارے ٹپک رہے ہیں شکیب
عجب نہیں جو بہاروں میں آگ لگ جائے

نومبر ۱۹۵۱ء

☆

راز حیات و موت بڑا عاشقانہ ہے
عنوان دو ہیں اور مکمل فسانہ ہے

ہمدردیوں کا ذکر کروں ان سے یا نہیں
ظاہر پرست دوست ہیں، دشمن زمانہ ہے

مرعوب کر سکے گا نہ مجھ کو جمال دوست
میرا مزاج میری نظر باغیانہ ہے

بیٹھا ہوں بجلیوں کا تصور کیے ہوئے
گہوارۂ جمال مرا آشیانہ ہے

تر سا رہے ہو کیوں خش و خاشاک کے لیے
میرا چمن ہے اور مرا آشیانہ ہے

شاید مری حیات کا مرکز بدل گیا
میرے لبوں پہ آج خوشی کا ترانہ ہے

تسلیم اڑ کے جا نہیں سکتا مگر شکیب
نظروں کے سامنے مرا آشیانہ ہے

دسمبر ۱۹۵۱ء

☆

سرو سمن کی شوخ قطاروں کے سائے میں
مُرجھا رہے ہیں پھول بہاروں کے سائے میں

چھوٹی سی اک خلوص کی دنیا بسائیں گے
آبادیوں سے دور چناروں کے سائے میں

تاریکیوں میں اور سیاہی نہ گھولیے
زلفیں بکھیریے نہ ستاروں کے سائے میں

جانے بھنور سے کھیلنے والے کہاں گئے
کشتی تو آ گئی ہے کناروں کے سائے میں

مانوس ہو گئی ہے خزاں سے مری بہار
اب لُطف کیا ملے گا بہاروں کے سائے میں

بلبل کی زندگی تو بہر حال کٹ گئی
پھولوں کی گود میں کبھی خاروں کے سائے میں

انگڑائی لی جُنوں نے،خرد سو گئی شکیب
نغمات کی لطیف پھواروں کے سائے میں

دسمبر ۱۹۵۱ء

☆

اپنی ذہنی کشمکش کو اب نمایاں کیجیے
کیجیے خم کار زلفوں کو پریشان کیجیے

اس طرح شاید نکھر جائے یہ پھیکی چاندنی
اپنی زلفوں کے گھنے سائے پریشان کیجیے

روکئے بڑھتی ہوئی تاریکیوں کو روکئے
کیجئے اپنے رخِ تاباں کو عریاں کیجئے

جو کہ ہمت ہار جاہیں آ کے ساحل کے قریب
ایسی نازک کشتیوں کو شزرِ طوفاں کیجئے

رنج کا احساس دل سے مٹ نہیں سکتا کبھی
آپ کتنا بھی تبسم کو نمایاں کیجئے

کچھ نہ کچھ تو آپ کو مجھ سے تعلق ہے ضرور
مجھ کو رسوا کر کے یوں خود کو نہ عریاں کیجئے

پھر بھی ان کی یاد آتی ہے رہے گی اے شکیب
جس قدر بھی ہو خیالوں کو پریشاں کیجئے

جنوری ۱۹۵۱ء

☆

کمتر نہ جانیں لوگ اسے مہر و ماہ سے
ہم نے گرا دیا جسے اپنی نگاہ سے

جن کے لیے زبان بھی احسان مند ہے
میں نے کچھ ایسے کام لیے ہیں نگاہ سے

http://www.hallagulla.com/urdu/

ہمراہ اپنے رونقِ محفل لیے ہوئے
وہ کون جا رہا ہے تری جشن گاہ سے

تعظیم، یہ مقامِ ادب ہے، خرنواز
تم بات کر رہے ہو محبت پناہ سے

حسنِ حیا پسند کو دیکھا ہے بے نقاب
شرمارہے ہیں آج ہم اپنی نگاہ سے

مستی سی چھا رہی ہے فضائے حیات پر
کوئی شراب گھول رہا ہے نگاہ سے

اک شعلہ جمال سے نظریں پگھل گیں
ہم تشنہ کام آئے تری جلوہ گاہ سے

ویسی ہی کچھ حسین سزا دیجیے حضور
جیسا حسین جرم ہوا ہے نگاہ سے

کہنے کو اب بھی خاک نشیمن ہے دل مگر
تاروں کو چھولیا ہے محبت کی راہ سے

اب تو شکیب رکھ لو بھرم زعمِ حسن کا
جلوے الجھ رہے ھیں تمھاری نگاہ سے

جنوری ۱۹۵۲ء

☆

یہ خلائیں ہیں گوش بر آواز
رازداں اب قریب آجائیں

ہم سفر رہ گئے بہت پیچھے
آؤ کچھ دیر کو ٹھہر جائیں

دوستی کا فریب ہی کھائیں
آؤ کاغذ کی ناؤ تیرائیں

ہم اگر رہروی کا عزم کریں
منزلیں کھنچ کے خود چلی آئیں

ان بہاروں کی آبرو رکھ لو
مسکرا دو کہ پھول کھل جائیں

مجھ کو آمادۂ سفر نہ کرو
راستے پر خطر نہ ہو جائیں

ان پناہوں میں کچھ نہیں ہے اب
بادہ کش مے کدے سے لوٹ آئیں

راستے سے ہٹا لو تاروں کو
میرے پیروں تلے نہ آجائیں

مُطربہ ایسا گیت چھیڑ کہ ہم
زندگی کے قریب ہو جائیں

گیسوئے زیست کے یہ الجھاؤ
آؤ ملکر شکیب سلجھائیں

جنوری۱۹۵۲ء

☆

دوست کیا معتبر نہیں ہوتے
آپ سے ہاں، مگر نہیں ہوتے

ہم ہی خطرات مول لیتے ہیں
راستے پُر خطر نہیں ہوتے

محو پرواز ہے خلاؤں میں

عقل کے بال و پر نہیں ہوتے

منزلیں میرے ساتھ چلتی ہیں
راستے مختصر نہیں ہوتے

رہنماؤں کے ساتھ رہنے سے
حوصلے معتبر نہیں ہوتے

زندگانی سے کھیلنے والے
موت سے بے خبر نہیں ہوتے

چار دن کی شکیب قربت سے
فاصلے مختصر نہیں ہوتے

فروری ۱۵۲ء

☆

ہر مصیبت پہ مسکرائیں گے
لذت غم وہی تو پائیں گے

جرات برق آزمائیں گے
ہم بھی ایک آشیاں بنائیں گے

جس قدر ان سے مُلاقات ہو گے
تم سے وہ دور ہوتے جائیں گے

حوضِ کوثر سے آرہے ہیں ہم
تیری آنکھوں سے پی کے جائیں گے

آنے والوں کا احترام شکیب
جانے والے کبھی نہ آئیں گے

فروری ۱۹۵۲ء

☆

محبت میں زباں کی بے زبانی اب بھی ہوتی ہے
نگاہوں سے بیاں دل کی کہانی اب بھی ہوتی ہے

سرِ محفل وہ کوئی بات بھی مجھ سے نہیں کرتے
مگر تنہائیوں میں گُل فشانی اب بھی ہوتی ہے

چھپاؤ لاکھ بے چینی کو خاموشی کے پردے میں

تمہارے اخ سے دل کی ترجمانی اب بھی ہوتی ہے

ہمارا حال چُھپ کر پوچھتا تھا کوئی پہلے بھی
ہمارے حال پر یہ مہربانی اب بھی ہوتی ہے

تمہاری ہی کمی محسوس ہوتی ہے مجھے ورنہ
وہ موسم، وہ فضا، وہ رُت سُہانی اب بھی ہوتی ہے

زمانہ دل کی باتوں کو کبھی کُھل کر نہیں کہتا
بہ انداز شکایت قدردانی اب بھی ہوتی ہے

نکل آیا زمان و آزیاں کی قید سے لیکن
بقا کی رہ میں حائل زندگانی اب بھی ہوتی ہے

مارچ ۱۹۵۲ء

☆

میرے دل کی کلی جو مرجھائی
ہر گُلِ تر کی آنکھ بھر آئی

پھر ہوئی روشنی خلاؤں میں
پھر کسی بے وفا کی یاد آئی

جُھک گئیں مل کے شرم سے نظریں
اک نئے موڑ پر حیات آئی

ان کی قُربت بھی بار ہے دلبر
کس قدر ہے لطیف تنہائی

اُٹھ گیا اعتبار منزل کا
دیکھ لی رہبروں کی دانائی

ان کی چاہت بھی اب نہیں منظور
تھے کبھی ہم بھی ان کے سودائی

بے خطر حادثوں سے ٹکرایا
یوں میرے عزم نے جِلاء پائی

عزم نے زندگی کو جیت لیا
اپنی پستی پہ موت شرمائی

ڈر کے پیچھے کھسک گیا ساحل
یوں جزیرے سے ناؤ ٹکرائی

مجھ کو احساس غم شکیب نہ تھا
ان کو دیکھا تو آنکھ بھر آئی

اپریل۱۹۵۲ء

☆

منہ پہ کیے سب شکوے گلے
جس سے ملے ہم دل سے ملے

دُکھ میں دامن چھوڑ دیا
سکھ میں ساتھی آن ملے

چارہ گروں کی بات نہ کر
زخم نہ سلنے تھے نہ سلے

حُسنِ تکلم، لطفِ بیاں
کلیاں چٹکیں، پھول کھلے

وہ سمجھیں یا ہم جانیں
بات کہی اور لب نہ ہلے

غم کی شدت میں بھی شکیب
لوگوں سے ہم ہنس کے ملے

مئی ۱۹۵۲ء

www.HallaGulla.com Virtual Home for Real People

☆

راہ دکھلاؤ رات اندھیری ہے
شمع بن جاؤ رات اندھیری ہے

جا رہے ہیں وہ روٹھ کر اس وقت
ان کو سمجھاؤ رات اندھیری ہے

اب تو کچھ بھی نظر نہیں آتا
شمع میں لاؤ رات اندھیری ہے

پھنس ہی جائیں گے نے اماں پنچھی
جال پھیلاؤ رات اندھیری ہے

تیرگی کا ہے آنکھ پر پہرہ
اب تو آجاؤ رات اندھیری ہے

میری آنکھوں میں جل رہے ہیں دیے
یوں نہ گھبراؤ رات اندھیری ہے

چاندنی ہو شکیب کی تم ہی
بُھول بھی جاؤ رات اندھیری ہے

جون۱۹۵۲ء

http://www.hallagulla.com/urdu/

☆

دنیا جن پر سر کو دُھنے
ہم نے ایسے راگ سُنے

بھولے پنچھی آن پھنسے
وقت نے دھن کے جال بُنے

ہم نے بہاروں کی خاطر
صحرا صحرا خار چُنے

مست ہیں وہ بھی نغموں میں
زخمی چیخیں کون سُنے

کاش یہ با ہمت راہی
دنیا کی باتیں نہ سُنے

زخموں کا دل رکھنے کو
ہم نے چمن سے خار چُنے

کس کو پڑی ہے دل سے شکیب
جو اوروں کی بات سُنے

جولائی ۱۹۵۲ء

☆

شکست خوردہَ حالات ہوگئی ہوگی
حیات صرف خرابات ہوگئی ہوگی

کبھی جو پرسشِ حالات ہوگئی ہوگی
خدا گواہ کہ برسات ہوگئی ہوگی

جو راہِ شوق میں حائل تھا اک جہان تو کیا
نظر نظر میں ملاقات ہوگئی ہوگی

جہانِ تازہ کی شمعیں بھی بجھ گئی ہوں گی
میرے جہان میں اگر رات ہو گئی ہوگی

ہوا سے آپ کی زلفیں بکھر گئی ہوگی
فضا میں بارشِ ظلمات ہوگئی ہوگی

کسی نے شرم سے چہرہ چھپالیا ہوگا
نگاہ محوِ جمالات ہوگئی ہوگی

وہ اجنبی کی طرح پیش آئے ہوں گے شکیب
جو راستے میں ملاقات ہوگئی ہوگی

اگست۱۹۵۲ء

☆

راز دل پابندیوں میں بھی بیاں ہوجائے گا
میرا ہر فقرہ مکمل داستاں ہوجائے گا

دھیرے دھیرے اجنبیت ختم ہو ہی جائے گی
رہتے رہتے یہ قفس بھی آشیاں ہوجائے گی

ہم نے حاصل کرنا چاہا تھا خلوص جاوداں
کیا خبر تھی کوئی ہم سے بد گماں ہو جاۓ گا

فطرت انساں میں ہونا چاہیئے ذوق عمل
خاک کے ہر ذرے سے پیدا جہاں ہوجائے گا

کر دیا تبدیل ہم نے اپنا انداز سفر
اب تو رہزن بھی شریک کارواں ہوجائے گا

ستمبر۱۹۵۲ء

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

کلی کلی کی نگاہوں میں مثلِ خار رہے
وہ چار پھول کے جو حاصلِ بہار رہے

وہ جھرمٹوں میں ستاروں کے جلوہ گر ہیں آج
بلا سے ان کی اگر کوئی اشک بار رہے

طلسم اثر فضا، چاندنی فسوں انداز
حضورِ دوست یہ ممکن نہیں قرار رہے

سیاہیوں کے بگولے چراغ رہ بن جائیں
جو حوصلہ شبِ غربت میں پختہ کار رہے

اب انتہائے الم بھی گراں نہیں دل پر
مگر وہ غم جو تیرے رخ پر جلوہ بار رہے

وہ بات کیا تھی ہمیں خود بھی اب تو یاد نہیں
نہ پوچھ ہم تیرے کس درجے رازدار رہے

خلوصِ عشق کے جزبات عام کرنا ہے
کچھ اور دن یہ فضا مجھ کو ساز گار رہے

یہ کشمکش، یہ بھلاوے حیات پرور ہیں
کسی کے دل میں اگر عشق کا وقار رہے

کسی کا قرب اگر قرب عارضی ہے شکیب
فراق دوست کی لذت ہی پائیدار رہے

اکتوبر ۱۹۵۲ء

☆

گم ہی نہ ہوگئی ہو مری رہ گزر کہیں
میں ہوں کہیں،غبار کہیں، ہمسفر کہیں

جذب نظر کا کر تو رہے ہیں وہ امتحاں
رُک ہی نہ جائے گردش شام و سحر کہیں

سمجھا ہر اک یہی کہ تخاطب مجھی سے ہے
مرکوز یوں ہوئی نگہ معتبر کہیں

تھی کچھ تو مصلحت جو نگاہیں نہ مل سکیں
مجھ کو غلط سمجھ لے وہ کم نظر کہیں

غم دیکے چھین لیں نہیں ان کے بس کی بات
مٹتا ہے دل سے داغ غم معتبر کہیں

ہم تو منا ہی لیں گے انہیں یہ یقین ہے
اور ایک بار روٹھ گئے ہم اگر کہیں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

نومبر ۱۹۵۲ء

☆

آداب چمن بدل رہے ہیں
صحرا میں گلاب پل رہے ہیں

دنیا کی حقیقتیں وہی ہیں
انداز نظر بدل رہے ہیں

آمد ہے کس اسیر نو کی
زنداں میں چراغ جل رہے ہیں

ہمت نے جواب دے دیا ہے
دیوانے پھر بھی چل رہے ہیں

ہونٹوں پہ ہنسی اور آنکھ ہے پرنم
پانی سے چراغ جل رہے ہیں

آشائیں غروب ہو رہی ہیں
امید کے سائے ڈھل رہے ہیں

وہ راہ شکیب کب ہے اپنی

جس راہ پہ لوگ چل رہے ہیں

نومبر ۱۹۵۲ء

☆

ہم نواؤں نے مل کے لوٹ لیا
آشناؤں نے مل کے لوٹ لیا

ہم اصولا تو بچ ہی نکلے تھے
التجاؤں نے مل کر لوٹ لیا

رہزنوں کا نصیب کیا کہیے
رہنماؤں نے مل کے لوٹ لیا

اک بہانہ تھی شورشِ طوفاں
ناخداؤں نے مل کے لوٹ لیا

کج کلاہوں سے ہوشیار تھے ہم
خوش اداؤں نے مل کے لوٹ لیا

ہم زباں دیکھتے رہے چپ چاپ
بے نواؤں نے مل کے لوٹ لیا

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

راہزن ہوش کچھ تو غمزدہ تھے
کچھ جفاؤں نے مل کے لوٹ لیا

جو امین جمال یزداں ہیں
ان خداؤں نے مل کے لوٹ لیا

جو کبھی وجہ عشرت دل تھیں
ان فضاؤں نے مل کے لوٹ لیا

دسمبر۱۹۵۲ء

☆

آپ کی یادگار کھو بیٹھے
ہم غم بے کنار کھو بیٹھے

اب بہاریں ہوں لاکھ جلوہ کناں
جو ہر اعتبار کھو بیٹھے

ان کے جلووں کو زندگی کہہ کر
ہم نظر کا وقار کھو بیٹھے

آپ سے مل کر ہم نے کیا پایا
اپنے دل کا قرار کھو بیٹھے

خارداروں سے اس طرح سے الجھے
ہم خلوصِ بہار کھو بیٹھے

غم کی تشنہ لبی تو قائم ہے
آپ سا غم گسار کھو بیٹھے

ان سے ہم اس قدر قریب ہوئے
زندگی کا وقار کھو بیٹھے

ہر حقیقت فریب لگتی ہے
جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

جس پر نازاں ہیں قربتیں بھی شکیب
وہ شبِ انتظار کھو بیٹھے

دسمبر۱۹۵۲ء

☆

جس دم قفس میں موسمِ گل کی خبر گئی
اک بار قیدیوں پہ قیامت گزر گئی

دُھندلا گئے نقوش تو سایہ سا بن گیا
دیکھا کیا میں نے ان کو، جہاں تک نظر گئی

بہتر تھا میں جو دور سے پھولوں کو دیکھتا
چھونے سے پتی پتی ہوا میں بکھر گئی

کتنے ہی لوگ صاحب احساس ہوگئے
اک بے نوا کی چیخ بڑا کام کر گئی

تنہائیوں کے شہر میں کون آئے گا شکیب
سو جاؤ اب تو رات بھی آدھی گزر گئی

۱۹۵۲ء

☆

جب تلک سارا زمانہ ہی طرب زار نہ ہو
میرا دل لطف مسرت کا سزاوار نہ ہو

اک نیا دل سا دھڑکتا ہے مرے سینے میں
ان کی نظروں کے تصادم کی یہ جھنکار نہ ہو

قوت دید ونظر ان پہ نچھاور ہو جائے
اس طرح دیکھ کہ پھر زحمت دیدار نہ ہو

بے سبب تو ہونٹوں پہ خموشی کا نزول
سوچتا ہوں کہ کسی پر میرا غم بار نہ ہو

ہائے ،وہ آگ کہ جو دل میں سلگتی ہی رہے
ہائے، وہ بات کہ جس کا کبھی اظہار نہ ہو

یہ تبسم مرا حق ہے تو عنایت ہو جائے
وہ عنایت کہ جو منت کش ایثار نہ ہو

مسکراہٹ کو ترستی ہیں ابھی کچھ کلیاں
میرے ہونٹوں پہ تبسم ابھی بیدار نہ ہو

بدگمانی تو محبت کی علامت ہے شکیب
یہ بھی ممکن ہے گلستان میں کوئی خار نہ ہو

جنوری۱۹۵۳ء

☆

زروں میں آفتاب وقمر دیکھتے رہے
دنیا کو ہم بہ حسن نظر دیکھتے رہے

لوگ ان مانگتے رہے لطف وکرم کی بھیک
ہم خاموشی غم کا اثر دیکھتے رہے

ظلمت میں اعتبار نظر ضو فشاں رہا

ہر رنگ میں جمال سحر دیکھتے رہے

یہ زندگی ہے تازہ امنگوں کا اک الاؤ
ہر ہر نفس میں رقص شرر دیکھتے رہے

دنیا سے بے خبر کئی عالم گزر گئے
ہم محویت میں جانے کدھر دیکھتے رہے

چھبتے رہے وہ طالب دیدار جان کر
ہم تھے کہ ان کا حسن نظر دیکھتے رہے

آداب رہ روی سے جو واقف نہیں شکیب
ان کو ہم شریک سفر دیکھتے رہے

جنوری۱۹۵۳ء

☆

یوں بھی دیا خراج عقیدت بہار کو
زخمی نظر سے چوم لیا خار خار کو

دنیا ایسی کو تنگ نظر کہہ رہی آج
جس نے پناہ دی ہے ترے اعتبار کو

کیسے کہیں کہ ہم سے ہے توقیر رنگ و بو
اب تک چھپارہے ہیں وہ راز بہار کو

منزل پہ اک خواہش منزل بدل گئی
پھر کوئی جستجو مرے جذبہ کار کو

بروقت آگیا ہے کوئی وعدہ کوش آج
اک دن چھپا لیا تھا غم انتظار کو

تسلیم وہ حسین ہے مگر میرے ذوق نے
تشکیل دی ہے ایک نئے شاہکار کو

کرنے لگا ہے چھیڑ غم عشق سے شکیب
یہ حوصلہ ہوا ہے غم روزگار کو

فروری ۱۹۵۳ء

☆

خواب گل رنگ کے انجام پر رونا آیا
آمد صبح شب اندام پہ رونا آیا

دل کا مفہوم اشاروں سے اجاگر نہ ہوا
بے کسی گلہ خام پہ رونا آیا

کبھی الفت سی جھلکتی ہے کبھی نفرت سی
اے تعلق ترے ابہام پہ رونا آیا

مری خوشیاں کبھی جس نام سے وابستہ تھیں
جانے کیوں آج اسی نام پہ رونا آیا

لے کے ابھرے گی سحر پھر وہی پژمردہ کرن
کیا کہوں، تیرگی شام پہ رونا آیا

بے سبب اپنی نگاؤں سے گرا جاتا ہوں
فسوں کاری الزام پہ رونا آیا

اتنے ارزاں تھے نہیں مرے اشکوں کے گہر
آج کیوں تلخی آلام پہ رونا آیا

لائق حسن نظر تھے نہ کبھی ان کے خطوط
آج محرومی پیغام پہ رونا آیا

اب بھی منزل مرے قدموں کی تمنائی ہے
کیا کہوں حسرت یک گام پہ رونا آیا

رونے والا تو کرے گا نہ کسی کا شکوہ
لاکھ کہیئے غم ایام پہ رونا آیا

ان کے شبہات میں کچھ اور اضافہ تھا شکیب

اشک سادہ کے اس انعام پہ رونا آیا

مارچ ۱۹۵۳ء

☆

کوئی ہے داتا کوئی ہے سوالی
تیرے جگ کی ریت نرالی

موتی رولے ساحل ساحل
پھر بھی ہے دامن خالی خالی

ان کی قسمت دودھ کے ساگر
میرا حصہ زہر کی پیالی

بادِ صبا ہے زخم سراپا
خار اگے ہیں ڈالی ڈالی

دھن کے رو پہلی تہہ خانوں میں
پھن لہرائے ناگن کالی

میں نے جس کے عیب چھپائے
اسی نے میری بات اچھالی

http://www.hallagulla.com/urdu/

اس کے علاوہ ہم کیا بولیں
تم نے دل کی بات چرالی

اپریل ۱۹۵۳ء

☆

قہقہہ آنسوؤں کا حامی ہے
غم پہ انداز شاد کامی کا ہے

راہ دشوار ہے نہ منزل دور
جذبہ رہروی میں خامی ہے

وقت کی قید ،خواہشوں کے جال
زیست کچھ بھی سہی ، غلامی ہے

حسن احساس حسن کا ہے طلسم
عشق نظروں کی شادکامی ہے

آپ میں گر وفا نہیں تو کیا
چاند میں بھی تو ایک خامی ہے

ہر گھڑی کچھ نزاکتوں کا خیال
یہ محبت بھی اک غلامی ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

اب شکیب آنسوؤں کو پی جاؤ
غم کی معراج شاد کامی ہے

مئی ۱۹۵۳ء

☆

غم کی تصویر بن گیا ہوں میں
ان کی توقیر بن گیا ہوں میں

خواب پنہاں آپ کے جلوے
جن کی تعبیر بن گیا ہوں میں

آج ہستی ہے کیوں تبسم ریز
کس کی تقدیر بن گیا ہوں میں

آپ چھپ چھپ کے مسکراتے ہیں
وجہ تشہیر بن گیا ہوں میں

جو بھی ہے ہم خیال ہے میرا
حسن تحریر بن گیا ہوں میں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

دعاؤں کو ہے مری حاجت
اب تاثیر بن گیا ہوں میں

دم بخود ہیں شکیب لوح و قلم
حسنِ تدبیر بن گیا ہوں میں

مئی ۱۹۵۳ء

☆

بے خودی سی ہے بے بخودی توبہ
سر بہ سجدہ آ گئی توبہ

ذہن و دل پہ ہے بارشِ انوار
پی ہے مے یا کہ چاندنی توبہ

دکھ کا احساس ہے نہ فکرِ نشاط
پینے والوں کی آ گئی توبہ

ان کا غم ہے بہت عزیز مجھے
چھوڑ دی میں نے مے کشی توبہ

اک جہان بن گیا مرا دشمن
آپ کا لطفِ ظاہری توبہ

ہے تمھی سے شکست دل کا گلہ
میری الفت کی سادگی توبہ

ایک ہے شمع ، لاکھ پروانے
تیرگی سی ہے تیرگی توبہ

کتنے دل خون ہوگئے ہوں گے
ان کی آنکھوں میں ہے نمی توبہ

راز غم پا گئے ہیں لوگ شکیب
ہنسنے والوں کی بے کسی توبہ

جون۱۹۵۳ء

☆

اب انہیں پرسش حالات گراں گزرے گی
بدگمانی ہے تو ہر بات گراں گزرے گی

خراہش لطف پرستش کو مٹا دو دل سے
میری خوداری جذبات گراں گزرے گی

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

مجھ سے پہلے رخ سادہ کی حقیقت کیا تھی
منہ نہ کُھلواؤ مری بات گراں گزرے گی

تم اچانک جیسے ہمراہ بنا بیٹھے ہو
ایک دن تم کو وہی ذات گراں گزرے گی

پاس ہو کر بھی اگر کوئی دور رہا مجھ سے
اور بھی تاروں بھری رات گراں گزرے گی

دل میں اظہار محبت پہ کوئی غوش ہوگا
ظاہرا پھول سی یہ بات گراں گزرے گی

جون ۱۹۵۲ء

☆

کوئی اس دل کا حال کیا جانے
ایک خواہش ہزار تہہ خانے

موت نے آج خود کشی کر لی
زیست ہر کیا نبی خدا جانے

پھر ہوا کوئی بد گماں ہم سے
پھر جنم لے رہے ہیں افسانے

وقت نے یہ کیا ہے رُک رُک کر
آج کے دوست کل کے بیگانے

دور سے ایک چیخ ابھرتی تھی
بن گئے بے شمار افسانے

زیست کے شورو شر میں ڈوب گئے
وقت کو ناپنے کے پیمانے

کتنا مشکل ہے منزلوں کا حصول
کتنے آساں ہیں جال پھیلانے

راز یہ ہے کہ کوئی راز نہیں
لوگ پھر بھی مجھے نہ پہچانے

جولائی۱۹۵۳ء

☆

غم حیات کی لذت بدلتی رہتی ہے
بقدر فکر شکایت بدلتی رہتی ہے

حریم راز، امید کرم کہ ذوق نمود
خلوص دوست کی قیمت بدلتی رہتی ہے

نہیں کہ تیرا کرم مجھ کو ناگوار نہیں
یہ غم وجہِ مسرت بدلتی رہتی ہے

اگر فریب حسیں ہو تو پھر فریب نہیں
خطا معاف حقیقت بدلتی رہتی ہے

کبھی جو غیر تھا وہ میری زندگی ہے
بقیدِ وقت صداقت بدلتی رہتی ہے

مرے چلن کو تغیر نہیں زمانے میں
تری نگاہ عنایت بدلتی رہتی ہے

کبھی ملول کبھی شادماں، کبھی بے حس
ترے شکیب کی حالت بدلتی رہتی ہے

جولائی ۱۹۵۳ء

☆

ان کی سنجیدہ ملاوات سے دکھ پہنچا ہے
اجنبی طرز کے حالات سے دکھ پہنچا ہے

اس کا مذکور کہیں شکوۂ نحسن میں نہیں
میری خودار روایات سے دکھ پہنچا ہے

دیکھ زخمی ہوا جاتا ہے دو عالم کا خلوص
ایک انساں کو تری ذات سے دکھ پہنچا ہے

احتراماً مرے ہونٹوں پہ مسلط تھا سکوت
ان کے بڑھتے ہوئے شبہات سے دکھ پہنچا ہے

یا انہیں لغزشِ معصوم گراں گزری ہے
یا غلط فہمیٔ حالات سے دکھ پہنچا ہے

میرے اشکوں کو شکایت نہیں کوئی تم سے
مجھ کو اپنی ہی کسی بات سے دکھ پہنچا ہے

میری جراَت پہ شکیب آج خرد حاوی ہے
آج ناکامیٔ حالات سے دکھ پہنچا ہے

جولائی ۱۹۵۳ء

☆

کسی کے پائے شکستہ پہ بار گزری ہے
خلافِ حسنِ توقع بہار گزری ہے

وقارِ حسن بہ تمثیلِ برق کیوں ہے آج
صدائے درد بھی سیماب وار گزری ہے

خزاں کا عکس ہی دیکھا ہے صبح گلشن میں
بشکل آئینہ موج بہار گزری ہے

یہ جاں بلب سے شگوفے یہ مردہ رنگ کنول
یہاں سے رحمت ابر نہار گزری ہے

ردائے حسن کے ٹکڑے فضا میں پھیلے ہیں
مری نگاہ بصد انتشار گزری ہے

شکیب فرط عقیدت میں کہہ گئے ہیں وہ بات
جو آگہی پہ بہت ناگوار گزری ہے

اگست ۱۹۵۳ء

☆

حجاب رنگ نظارں پہ بار گُزری ہے
وہ اک نگاہ جو بیگانہ وار گُزری ہے

بزعم عشق اُبھر کے جو لب پہ آنہ سکی
وہ چیخ حُسن سماعت پہ بار گُزری ہے

شگفتہ رنگ اُجالوں کے کارواں تو نہیں

مری نگاہ فقط سیم بار گُزری ہے

تمہارے غم کا مجھے درد بے سبب تو نہیں
مری حیات بہت سوگوار گزری ہے

وہ اک رات کہ جب روشنی علیل رہی
وہ ایک رات بصد انتشار گُزری ہے

مری نگاہ بہت حق پسند ہے شاید
کبھی بھی مجھے خود ناگوار گُزری ہے

مزاج حُسن بہ تمثیل برق کیوں ہے شکیب
صدائے درد تھی سیماب وار گُزری ہے

اگست ۱۹۵۳ء

☆

زباں کاٹ دے اور ہونٹوں کو سی لے
بغیر شکایت مصائب میں جی لے

حوادث کی زد میں بڑھے جا رہے ہیں
مری آرزوؤں کے نازک قبیلے

وہ ساتھی جسے غم سے نسبت نہیں ہے
الم کو کریدے نہ زخموں کو چھیلو

غرورِ محبت میں تفریق دیکھو
یہ سونے کی وادی یہ مٹی کے ٹیلے

ہمیں دل کی ہر بات سچ سچ بتا دو
بناؤ نہ باتیں، تراشو نہ حیلے

نہ چھیڑو، پرانے فسانے نہ چھیڑو
لہو ہی بہے گا اگر زخم چھیلے

ستمبر ۱۹۵۳ء

☆

دل گرفتہ ہے جگر خون ہوئے جاتے ہیں
یہ عجب پیار کے قانون ہوئے جاتے ہیں

اس قرینے سے گُنہ گار ہوئے ہیں رُسوا
اہلِ تقدیس بھی مطعون ہوئے جاتے ہیں

ہم تو ہر غم کو محبت کا تقاضا سمجھے

http://www.hallagulla.com/urdu/

کیا خبر تھی ترے ممنون ہوئے جاتے ہیں

قلب خودار زکستہ تو محبت زخمی
میرے حسن کے کئی خون ہوئے جاتے ہیں

دولت اُنس و محبت ہے فقط ان کا نصیب
میرے احباب تو قارون ہوئے جاتے ہیں

اپنا کہتے ہوئے ڈرتی ہے مری سادہ روی
اس قدر شوخ سے مضون ہوئے جاتے ہیں

جس قدر تجھ پہ لٹاتے ہیں متاع ہستی
اتنے ہی ہم ترے مرہون ہوئے جاتے ہیں

اکتوبر۱۹۵۳ء

☆

بعد از خزاں بھی خشک بگولوں کے سلسلے
کس درجہ سست گام ہیں پھولوں کے قافلے

کیوں کر بڑھائیں ربط کسی اجنبی کے ساتھ
ساتھی تھے عمر بھر کے جو غیروں سے جا ملے

جو کائنات درد سے مانوس ہی نہیں
وہ کر رہے ہیں پیار کی دنیا کے فیصلے

اے پیکرِ غرور کہ ہم بھی ہیں با اصول
طے ہو سکیں گے کیا یہ پُراسرار فاصلے

ایثار کے دیار سے نفرت کے شہر تک
ہیں کس قدر طویل محبت کے سلسلے

افسانہ بہار پھر ان کی زبان سے
خوشبو اُڑی، نسیم چلی، پھول سے کھلے

گہنا گئے بوقت سحر دل کے ولولے
کیا کچھ نہ حال ہوگا اُمنگوں کا دن ڈھلے

تیری شبیہ کا ہے خلاؤں میں رقص پھر
محرابِ زندگی میں ہزاروں دیے جلے

اُس کو یقین کیا دلِ اخلاص کیش کا
مایوسیوں کی گود میں جو زندگی پلے

آساں بنا رہا تھا جنہیں احتیاط سے
دشوار ہوگئے وہی نازک سے مرحلے

آئے تھے وہ وفا کی نمائش کے واسطے

میرے تعلقات کو آلودہ کر چلے

مسمار ہو سکے نہ گھروندے وفاؤں کے
آتے رہے پیار کی بستی میں زلزلے

شعلوں کے رنگ میں کہیں شبنم کے روپ میں
منظوم ہیں شکیب مرے دل کے ولولے

نومبر ۱۹۵۳ء

☆

یاد ایام سے شکوہ نہ گلہ رکھتی ہے
میری جرات نگہ پیش نما رکھتی ہے

سطحی رنگ فسانوں کا ہے بہروپ حیات
دل کی گہرائی حقائق کو چھپا رکھتی ہے

اس طرح گوش بر آواز ہیں ارباب ستم
جیسے خاموشی مظلوم صدا رکھتی ہے

اپنی ہستی پہ نہیں خود ہی یقین دنیا کو
یہ ہر اک بات میں ابہام روا رکھتی ہے

میری ہستی کہ رہیں غم الفت ہے شکیب
دل میں اُٹھتے ہوئے شبہات دبا رکھتی ہے

نومبر ۱۹۵۳ء

☆

وہ زنداں یا چمن کا تذکرہ ہے
ہمارے بانکپن کا تذکرہ ہے

مرے حُسن سماعت پر نہ جاؤ
کسی غنچہ دہن کا تذکرہ ہے

سیہ زلفوں کی زنجیروں میں پنہاں
نئی اُجلی کرن کا تذکرہ ہے

زبان خار و خس تک بات پہنچے
بہاریں پیرہن کا تذکرہ ہے

دُھواں دینے لگے ہیں لالہ و گُل
کسی شعلہ بدن کا تذکرہ ہے

ابھی دریالی کا ذکر ہوگا
ابھی تشنہ دہن کا تذکرہ ہے

دیارِ کہکشاں سے شہرِ گُل تک
ہماری انجمن کا تذکرہ ہے

شکیب اہلِ زباں کی محفلوں میں
ترے طرزِ سخن کا تذکرہ ہے

دسمبر ۱۹۵۳ء

☆

آکاش کے ماتھے کی اُجلی تحریریں سجدہ کرتی ہیں
آنکھوں کی سنہری جھیلوں میں تصویریں سجدہ کرتی ہیں

وہ جال ہوں کالی ،زلفوں کے تار ہوں سونے چاندنی کے
دیوانے ہیں ہم دیوانوں کو زنجیریں سجدہ کرتی ہیں

ان نازک نازک پوروں سے سنگین لکیریں ڈالی ہیں
تدبیر کے زانو پر اکثر تقدیریں سجدہ کرتی ہیں

مے رنگ لہو کے دانوں کی مالا پہنائی جاتی ہے
بیباک گُلو کی عظمت کو شمشیریں سجدہ کرتی ہیں

پلکوں پہ لرزتے اشکوں کی توقیر نہ جانے کیا ہوگی
کہتے ہیں سُلگتے آہوں کو تاثیریں سجدہ کرتی ہیں

کس آس پہ یہ اپنے شانوں پر ہم بوجھ اٹھائیں محلوں کے
یہ شوخ گلشن جھک جاتے ہیں تعمیریں سجدہ کرتی ہیں

آداب وہی ہیں الفت کے ترتیب نے پہلو بدلے ہیں
جب رانجھے سجدہ کرتے تھے اب ہیریں سجدہ کرتی ہیں

جنوری ۱۹۵۴ء

☆

پلکوں کے نشیلے سائے میں میخانے ہی میخانے ہیں
جس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں پیمانے ہی پیمانے ہیں

ان سہمی سہمی آنکھوں میں سرخی ہے مدھر آشاؤں کی
ان الجھی الجھی سانسوں میں افسانے ہی افسانے ہیں

اُلفت کے سودے کون کرے نفرت کی جھولی کون بھرے

ہم کاروباری دنیا میں بیگانے ہی بیگانے ہیں

جب موسمِ گل کی آمد تھی دنیا نے پسارے تھے دامن
اب موسمِ گُل کی رخصت پر دیوانے ہی دیوانے ہیں

تاریک بگولے رقصاں ہیں اک خول چڑھا ہے کرنوں پر
مایوس دلوں کو کیا کہیے غم خانے ہی خانے ہیں

ہر شاخ سے گہنے چھین لیے ہر ڈال سے موتی چن لیے
اب کھیت سنہری کھیت نہیں، ویرانے ہی ویرانے ہیں

کوئی جو انہیں اپنا لیتا بن باس نہ لیتے دیوانے
آباد گھروندوں میں اے دل بیگانے ہی بیگانے ہیں

فروری ۱۹۵۴ء

☆

ہمیں جیب آستیں پہ اگر اختیار ہوتا
یہ شگفتِ گل کا موسم بڑا خوشگوار ہوتا

سبھی محوِ جستجو ہیں کسے رہنما کہیں ہم
کوئی بے نیازِ منزل سرِ رہ گزار ہوتا

www.HallaGulla.com Virtual Home for Real People

غم دو جہاں کی مجھ پر جو عنایتیں نہ ہوتیں
ترا حسن حسن ہوتا، مرا پیار پیار ہوتا

مری انتہا پسندی سے شکایتیں ہیں ان کو
غمِ جاوداں وگرنہ مجھے ناگوار ہوتا

یہ کسی اکیلے راہی کے نقوشِ پا ہیں یارو
کوئی کارواں گزرتا تو یہاں غُبار ہوتا

یہ خرد کی مصلحت ہے اسے دور ہی سے دیکھوں
یہ جنوں کی ہے تمنا کوئی ہم کنار ہوتا

ابھی چاند زیرِ پا ہے، ابھی گردِ راہ تارے
مرے فکر کا مسافر کہاں شب گزار ہوتا

مارچ ۱۹۵۴ء

☆

ڈُھوپ کہیں ہے چھاؤں کہیں ہے
کوئی بھی لذت عام نہیں ہے

یوں بیٹھے ہیں تھکے مسافر
جیسے منزل یہیں کہیں ہے

گردش دوراں توبہ توبہ
ہم کو خدا بھی یاد نہیں ہے

جس کو چاہا حسن میں ڈھالا
تجھ سے میری آنکھ حسیں ہے

ان کی کوئی بات سناؤ
جن کا مجھ سے میل نہیں ہے

دوست ہیں دل میں، ذہن میں دشمن
کوئی بھی مجھ سے دور نہیں ہے

مارچ ۱۹۵۴ء

☆

بساط رنگ بچھاؤ بہار آئی ہے
سمن کدوں کو سجاؤ بہار آئی ہے

صبا کے ہاتھ ملا ہے پیام بیداری
کلی کلی کو جگاؤ بہار آئی ہے

سحر کا رنگ ستاروں کا نور پگھلا کر

رُخ چمن پہ بہاؤ بہار آئی ہے

نگاہ باغ کی دوشیزگی نکھر جائے
کلی کو پھول بناؤ بہار آئی ہے

فضا کی تشنہ لبی پر مٹھاس بکھرا دو
رسیلے گیت سناؤ بہار آئی ہے

کوئی خوشی کا فسانہ کوئی ہنسی کی بات
لبوں سے پھول گراؤ بہار آئی ہے

نظر کے ساتھ شفق رنگ مے کا دور چلے
فضا کو مست بناؤ بہار آئی ہے

غم خزاں کے چمن میں کوئی نشاں نہ ملے
اک ایسا جشن مناؤ بہار آئی ہے

یہیں پہ جنت قلب و نظر کی ہو تشکیل
یہیں پہ خلد بساؤ بہار آئی ہے

مارچ ۱۹۵۴ء

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People
http://www.hallagulla.com/urdu/

سحر میں حُسن ہے کیسا بہار شب کیا ہے
شگفت رنگ نہیں ہے تو پھر یہ سب کیا ہے

یہ اور بات ہے کوئی کسی کا دوست نہ ہو
اگر ہے کوئی تو پھر دشمنی عجب کیا ہے

کوئی بتائے کہ اب کیا جواب داں ان کو
وہ پوچھتے ہیں مرے پیار کا سبب کیا ہے

وہ ایک بات جو سینے میں مثل راز نہ تھی
سمجھ گیا ہو زمانہ تو پھر عجب کیا ہے

وہ زرنگار ستارے بھی چھپ گئے آخر
خلاء میں ڈھونڈ رہا ہوں متاع شب کیا ہے

زہے کرم کہ ہمیشہ سے تم مخالف ہو
وگر نہ جب بھی نہ تھا کچھ شکیب اب کیا ہے

مئی ۱۹۵۴ء

☆

چندلمحوں کا تصور کیا ہوا ان سے عقیدت ہوگئی
جس کسی کے ساتھ مل بیٹھے اسی سے تم کو الفت ہوگئی

اس طرح اکثر ہوا ہے دشمنوں کی خواہشوں کا احترام
جو بھی شے مرغوب تھی ان کو مجھے بھی اس سے رغبت ہوگئی

کل تلک ہر خواہش پرکار بھی میری گوارا تھی انہیں
آج اک معصوم سی لغزش سزاوار شکایت ہوگئی

میں سمجھتا ہوں کہ ان پر اپنی خامی کا ہوا ہے انکشاف
لوگ کہتے ہیں مرے حال زبوں سے ان کو نفرت ہوگئی

مئی ۱۹۵۴ء

☆

ارباب سحر کی خود نگاہی
ماحول میں رچ گئی سیاہی

رخشندہ نجوم دور شب میں
دیتے رہے صبح کی گواہی

پہنچے سر دار ہنستے گاتے

ہم نے رسم جنوں نباہی

اے راہبرو ذرا تو سوچو
بھٹکیں گے کہاں کہاں یہ راہی

نیچی ہے نظر ستم گروں کی
ثابت ہے ہماری بے گناہی

شب خوں پڑے گا تیرگی پر
مہتاب بدست ہے سیاہی

مئی ۱۹۵۵ء

☆

جب کبھی بڑھ گیا ہے خوف و ہراس
ایک مرکز پہ آگئے ہیں حواس

رات تارے بھی میرے ساتھ رہے
مضمحل مضمحل اُداس اُداس

نرم و نازک سے آبگینے ہیں

ان کی دوشیزگی، مرا احساس

جب اُجالوں کے تیر چلتے ہیں
چاک ہوتا ہے ظلمتوں کا لباس

چاند کی پر بہار وادی میں
ایک دوشیزہ چن رہی ہے کپاس

خار تو شہر گل کی رونق تھے
کس نے خاروں کو دے دیا بن باس

اگست ۱۹۵۵ء

☆

چلے تھے ہم سے ٹکرانے بگولے
ہوا کا رُخ نہ پہچانے بگولے

یہی حاصل ہے ذوق راہ روی کا
یہی دو چار ویرانے بگولے

تمہاری جلوہ گائیں لالہ و گُل

ہمارے آئینہ خانے بگولے

میرے قدموں کی مہریں رہ گزر پر
مری جرات کے افسانے بگولے

مزاج گردش دوراں نہ بدلہ
رہے گردش میں پیمانے بگولے

میرا مسلک شکیب ان سے جدا ہے
نہ جوڑئیں مجھ سے یارانے بگولے

ستمبر ۱۹۵۵ء

☆

لے اڑی ہے صبا کلی کے گیت
مُطربہ چھیڑ دے خوشی کے گیت

ہم سے پہلے کہاں تھا سوز و گراز
ساز بے سُر تھے اور پھیکے گیت

نیند میں زہر گھول دیتے ہیں
رات کو ایک اجنبی کے گیت

موج رہ رہ کر سر کو دُھنتی ہے
کتنے سندر ہیں جل پری کے گیت

تم تو سرگوشیوں میں کھوئے رہے
کب سنے تم نے خامشی کے گیت

موت کے سامنے بھی لہرا کر
ہم نے گائے ہیں زندگی کے گیت

جس کا دکھ درد تم نہ بانٹ سکے
بُھول بھی جاؤ اُس کوی کے گیت

گونجتے ہیں شکیب خوابوں میں
آنے والی کسی صدی کے گیت

اپریل۱۹۵۶ء

☆

جب بھی چراغ لے کے اٹھے بسییک کے لوگ
ظلمت میں اور ڈوب گئے بستی کے لوگ

جنگل جلے تو ان کو خبر تک نہ ہوسکی
چھائی گھٹا تو جھوم اٹھے بستی کے لوگ

پرواہ چلی تو اور سلگنے لگے بدن،
پل بھر بھی رات سو نہ سکے بستے کے لوگ

بپھرے ہوئے بھنور نے سفینہ نگل لیا
ساحل سے دیکھتے ہی رہے بستیوں کے لوگ

خوشبو کی اک لپٹ پہ کھنچے آرہے تھے ہم
کانٹوں کے ہار لےکر بڑھے بستیوں کے لوگ

بھٹکے ہوئے غریب مسافر پہ اے شکیب
رہ زن سمجھ کے ٹوٹ پڑے بستیوں کے لوگ

اپریل۱۹۵۶ء

☆

کہیں مہک ، نہ ترنم، نہ رقص گل پارہ
خزاں نے لُوٹ ہے جنوں کا گہوارہ

کبھی جو شاق گزرتا ہے خندۂ انجم
سسکنے لگتا ہے نوک مژدہ پہ اک تارہ

طلسم گردش ایام کس طرح ٹوٹے

نظر علیل، جنوں خام، فکر آوارہ

شب الم میں ہمیں روشنی سے مطلب ہے
وہ کہکشاں ہو، قمر ہو، کہ کوئی سیارہ

حیات برف کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتی
دہک رہا ہے ابھی دل میں ایک انگارہ

جولائی ۱۹۵۶ء

☆

ڈوبتے سورج کی جب یاد آ گئی
چاندنی گہنا گئی، کجلا گئی

شب کے دریا میں پڑے ایسے بھنور
چاند کی کشتی بھی غوطہ کھا گئی

کتنے چمکیلے ستارے جل بُجھے
پو پھٹے اک برق سی لہرا گئی

جانے کتنے گُل کدوں کا راز تھی
وہ کلی جو بن کھلے مرجھا گئی

آبلہ پائی کا ہم کو غم نہ تھا
رہنماؤں کی ہنسی تڑپا گئی

زندگی ، تجھ سے شکایت کیا کریں
آج ہم سے موت بھی شرما گئی

ستمبر ۱۹۵۶ء

☆

زنجیر کی جھنکار کو سنگیت میں ڈھالا
زنداں میں بھی ان جینے کا عجب ڈھنگ نکالا

وہ خاک نکھاررے گے خدو خال سحر کے
جو چہرہ مہتاب پہ بنتے رے جالا

تپتے ہوئے صحرا کے کسی کام نہ آیا
گلگشت میں پوٹھا ہے مرے پاؤں کا چھالا

ہم نے جسے آزاد کیا حلقہ شب سے
حاصل نہیں ہم کو ایسی سورج کا اجالا

انسان کی عظمت کی گواہی کیلیئے ہو
کعبہ ہو کہ بت خانہ ،کلیسا کہ شوالا

دسمبر ۱۹۵۶ء

☆

محبوب ہے کیوں بتِ عنب سوچ رہے ہیں
مدہوش نہیں تشنہ و بلب سوچ رہے ہیں

بجھتے ہوئی شمعوں کا دھواں ہے سرِ محفل
کیا رنگ جمے آخرِ شب سوچ رہے ہیں

ٹوٹے ہوئے پتوں کو درخت سے تعلق؟
ہم دور کھڑے شہرِ طرب سوچ رہے ہیں

تبدیلیِ حالات نے بدلے ہیں خیالات
پہلے نہیں سوچا تھا جو اب سوچ رہے ہیں

ہم ابھرے بھی، ڈوبے بھی سیاہی کے بھنور
ہم سوئے نہیں شب، ہمہ شب سوچ رہے ہیں

ایمان کی شہ رگ ہوں میں انسان کا دل ہوں
کیا آپ مرا نام و نسب سوچ رہے ہیں

نومبر ۱۹۵۷

☆

دورِ سحر و شام سے گھبرائے ہوئے ہیں
ہم گردشِ ایام سے گھبرائے ہوئے ہیں

پا بستۂ زنجیر تو رک رک کے چلیں گے
دشواریِ ہر گام سے گھبرائے ہوئے ہیں

امیدِ چراغاں ہے نہ امیدِ سحر ہے
زندانیِ سر شام سے گھبرائے ہوئے ہیں

نا کردہ خطاؤں کا بھی اقرار نہ کر لیں
بے باکیِ الزام سے گھبرائے ہوئے ہیں

ساقی کوئی ہنگامۂ نوخیز بپا کر
ہم شغلِ مے و جام سےگھبرائے ہوئے ہیں

کانٹوں کا بیاں اور ہے، کلیوں کی صدا اور
اُلجھے ہوئے پیغام سے گھبرائے ہوئے ہیں

کچھ لوگ ہیں مرعوب شکیب آپ کے فن سے
کچھ لوگ فقط نام سے گھبرائے ہوئے ہیں

۱۹۵۷ء

☆

پو پھٹے جب موج میں آئے گی دھوپ
ہر روش پر گُل کتر جائے گی دھوپ

صبح ہونے کی اسیرو دیر ہے
روزنِ زنداں میں در آئے گی دھوپ

سر بہ خم ہوجائیں گے اصنامِ شب
چڑھتے سورج کی خبر لائے گی دھوپ

کہر میں لپٹے ہوئے اجسام پر
اک زریں شال بن جائے گی دھوپ

اونگھتی تنہائیوں کے کان میں
نغمگی کا شہد ٹپکائے گی دھوپ

تابکے اختر شماری اے شکیب
بجھتے تاروں کو نگل جائے گی دھوپ

جنوری ۱۹۵۸ء

Virtual Home for Real People

☆

شاخوں پہ رہے اور داماں میں رہے پھول
زخموں کی طرح سینہ سوزاں میں رہے پھول

دوشیزگی رنگ کے لٹ جانے کا ڈر تھا
سہمے ہوئے آغوش بہاراں میں رہے پھول

کیا کم ہے یہ احسان ترا یاد بہاراں
ہمراہ مرے گوشہ زنداں میں رہے پھول

شعلہ صفت و برق شعار و شفق انداز
کیا کیا نہ مرے دیدۂ حیراں میں رہے پھول

اک موج بلا خیز بہا لے گئی آخر
کچھ دیر تو کنج خس مژگاں میں رہے پھول

اک طرفہ تماشا تھی بدلتی ہوئی رُت بھی
غیروں کی طرح اپنے گلستاں میں رہے پھول

جنوری ۱۹۵۸ء

☆

کاسہ سر کو ان سے کچھ پتھر خیرات ملے
روپ کی مایا جن کو کرکر لمبے ہات ملے

یوں سمٹا بیٹھا ہوں اندھیارے کی بانہوں میں
بھولے بھٹکے شاید تیری زلف کی رات ملے

کاش اک ایسی صبح بھی آئے ہجر کی رات کے بعد
جب میں سوکر اُٹھوں ھاتھ میں تیرا ھاتھ ملے

شہر سمن کو چھوڑا جن کی یاد سے گھبرا کر
بن میں وہ قاتل لمحے گرد کی صورت سات ملے

تم سے جیالے انساں ہم نے کم دیکھے ہیں شکیب
اس کوچے میں یوں تو اور بہت حضرات ملے

اکتوبر ۱۹۶۰ء

☆

دل کے ویرانے میں اک پھول کھلا رہا ہے
کوئی موسم ہو مرا، زخم ہرا رہتا ہے

شب کو ہوگا اُفقِ جاں سے ترا حُسن طلوع
یہ وہ خرشید ہے جو دن کو چھپا رہتا ہے

یہی دیوارِ جدائی ہے زمانے والو
ہر گھڑی کوئی مقابل میں کھڑا رہتا ہے

کتنا چپ چاپ ہی گزرے کوئی مرے دل سے
مدتوں ثبت نشانِ کفِ پا رہتا ہے

سارے در بند ہوئے شہر میں دیوانے پر
ایک خوابوں کا دریچہ ہی کھلا رہتا ہے

۱۹۶۰ء

☆

اس گُل بدن کی بوئے قبا یاد آگئی
صندل کے جنگلوں کی ہوا یاد آگئی

یہ کون زندگی میں نشہ گھولنے لگا
کس کی ادائے ہوش رُبا یاد آگئی

یاد آگئے کسی کے تبسم تراش اب

کھلتے ہوئے کنول کی ادا یاد آگئی

پھر دل کی دھڑکنوں نے بچھائی بساط رقص
پھر وہ نگاہ نغمہ سرا یاد آگئی

گھبرا کے چاند چھپ گیا بادل کی اوٹ میں
بے ساختہ وہ جان حیا یاد آگئی

تنہائیوں کی گونج نے جب بھی دیا فریب
مجھ کو شکست دل کی صدا یاد آگئی

☆

اوجھل ہوا نظروں سے ضیا خانہ مہتاب
اب شمع بکف پھرتا ہے دیوانہ مہتاب

بخشی ہیں تحیر کی نگاہوں کو پنائیں
دائم رہے آباد صنم خانہ مہتاب

ڈھونڈے نہ ملی جائے سکوں قریہ شب میں
کاندھے پہ اٹھائے پھرے کاشانہ مہتاب

پھر اڑنے لگے گیسوئے غم دوش فضا پر
پھر کئی چھلکتا ہوا پیمانہ مہتاب

شمعیں نہ بھڑک اٹھیں شبستان جنوں کی
ہم کہتے ہوئے ڈرتے ہیں افسانہ مہتاب

تم سے تو کوئی فیض نہیں عرش نشینو
خاک بسر لائے ہیں نزرانہ مہتاب

☆

ابر بن کر مری آنکھوں سے برسنے والے
کچھ شرارے بھی رگ جاں کو جھلسنے والے

ملتفت پا کے تجھے ، ہوش گنوا بیٹھیں گے
یہ تری نیم نگاہی کو ترسنے والے

کوئی پیکر ہو جلھلتے ہیں ،انہی کے خدوخال
بن گئے جزونظر ، دھیان میں بسنے والے

دوست داری کا تقاضہ ہے کہ میں کچھ نہ کہوں
آستینوں کے مکیں ہیں مجھے ڈسنے والے

مفتی شہر کی تقریر سے ڈرنا کیا ہے
کہیں ایسے بھی برستے ہیں گرجنے والے

☆

اس مدھ ماتی سندر چھب کی متوالی دنیا ساری ہے
او پگلے کیا سوچ کے تو نے جیون کی بازی ہاری ہے

جھیل نہیں اندر کی سبھا ہے، پھول نہیں چنچل پریاں ہیں
جنگل میں ایسی رت کب تھی، یہ سب دھیان کی گل کاری ہے

روپ محل کی چور گلی سے دیکھو کس کو بلاوا آئے
اک ہیروں کا سوداگر ہے اک من کا بیوپاری ہے

گھر سے اکیلا جو بھی نکلا اس نے اپنی کھوج نہ پائی
چندرما کا ہاتھ پکڑ لو، یہ رات بڑی اندھیاری ہے

کس سے روئیں پیار کا دکھڑا، کس سے پائیں داد وفا کی
کچھ گونگے بہرے لوگوں کی اس بستی میں سرداری ہے

☆

بس اک شعاع نور سے سایہ سمٹ گیا
وہ پاس آ رہا تھا کہ میں دور ہٹ گیا

پھر درمیان عقل و جنون جنگ چھڑ گئی

پھر مجمع حواس گروہوں میں بٹ گیا

کیا اب بھی تیری خاطر نازک پہ بار ہوں
پتھر نہیں تیرے رستے سے ہٹ گیا

یا اتنا سخت جان کہ تلوار بے اثر
یا اتنا نرم کہ رگ گل سے کٹ گیا

وہ لمحہ شعور جسے جان کنی کہیں
چہرے سے زندگی کے نقابیں الٹ گیا

اب کون جائے کوئے ملامت سے لوٹکر
قدموں سے آکے اپنا ہی سایہ لپٹ گیا

آخر شکیب خوئے ستم اس نے چھوڑ دی
ذوق سفر کو دیکھ کے صحرا سمٹ گیا

☆

بجھے بجھے سے شرارے مجھے قبول نہیں
سواد شب میں ستارے مجھے قبول نہیں

یہ کوہ و دشت بھی آئینہ بہار بنے
فقط چمن کے نظارے مجھے قبول نہیں

تمہارے ذوق کرم پر بہت ہوں شرمندہ
مراد یہ ہے سہارے مجھے قبول نہیں

مثالِ موج سمندر کی سمت لوٹ چلو
سکوں بدوش کنارے مجھے قبول نہیں

میں اپنے خوں سے جلاؤں گا رہ گزر کے چراغ
یہ کہکشاں، یہ ستارے مجھے قبول نہیں

شکیب جس کو شکایت ہے کھل کے بات کرے
ڈھکے چھپے سے اشارے مجھے قبول نہیں

☆

بے زبان ہم کلام ہوتے ہیں
خامشی میں پیام ہوتے ہیں

رازداں مل کے لوٹ لیتے ہیں
اجنبیوں کے نام ہوتے ہیں

خار مے نوش ہیں کسے معلوم

آبلے مثل جام ہوتے ہیں

دل کی آواز کوئی سن لیتا
صاحب گوش، جام عام ہوتے ہیں

اٹھ رہے ہیں غلاف پلکوں کے
حادثے بے نیام ہوتے ہیں

زیست میں زہر گھولنے والے
کس قدر خوش کلام ہوتے ہیں

مسکرا کر نگاہ ڈوب گئی
اس طرح بھی سلام ہوتے ہیں

کس قدر خود نظر ہیں دیوانے
اجنبی بن کے عام ہوتے ہیں

☆

پیار ہے بھید کا گہرا ساگر، اس کی تھاہ نہ پاؤں گے
جس دم پانی سر سے گزرا، آپ کہیں کھو جاؤں گے

دھوپ بری ہے نہ چھاؤں، سمے سمے کی ساری بات
رنگوں کے اس کھیل سے کب تک اپنی جان چراؤ گے

جیتی جاگتی تصویریں ہیں دنیا بھر کی آنکھوں اِن

اپنا آپ جہان بھی دیکھا سمٹوں گے شرماؤ گے

اتنا ہی بوجھل خاک کا بندھن ،جتنی سندر دھیان کی ڈور
پاؤں زمیں سے لگے رہیں گے ،اونچا اڑتے جاؤ ں گے

بچھڑے لمحے راہ نہ بھولیں رات کے سونے آنگن کی
خود ہی کریدہ گے زخمیوں کو خود ہی انہیں سہلاؤں گے

پاگل پن میں من کا موتی سستے داموں بیچ دیا
اب کے پتھر چن چن کر اپنا جی بہلاؤں گے

اس کے چرن کی خاک ہی چھولو ،ہوش نہ ہوگا اتنا بھی
آنکھوں حسرت ٹپکے گی دور کھڑے للچاؤں گے

شانت نگر کا کھوج لگا کر یہ دکھ بھی سہنا ہوگا
جانے پہچانے لوگوں میں پردیسی کہلاؤں گے

☆

پتھر مارو، دار پہ کھینچو ،مرنے سے انکار نہیں
یہ بھی سن لو حق کی آخر جیت ہی ہوگی ہار نہیں

اپنے خونِ جگر سے ہم نے کچھ ایسی گل کاری کی
سب نے کہا یہ تختیہ گل ہے ،زنداں کی دیوار نہیں

سوکھی بیلیں ،داغی کلیاں ، زخمی تارے ،روگی چاند
ایک ہی سب کا حال ہے یارو، کون یہاں بیمار نہیں

اب بھی اثر ہے فصل خزاں باغ کے بوٹے بوٹے پر
دیکھو تو بے رنگ ہیں کلیا ں سونگھو تو مہکار نہیں

باغ کا نقشہ بدلو یا پھر چھین لو ہم سے تاب نظر
سب کچھ دیکھیں کچھ نہ کہیں ہم اس کے لئے تیار نہیں

طوفان طوفان گھوم چکے ہم ساحل ساحل دیکھ آئے
مرنا جینا کھیل ہے یارو، کھیل کوئی دشوا ر نہیں

زلزلو جاگو، آندھیو آؤ آج اپنی سی کر دیکھو
کوہ گراں ہیں اپنی جگہ پر، ریت کی ہم دیوار نہیں

☆

تائید زندگی کی اسی کو نصیب ہے
جس آدمی کے دوش پہ اپنی صلیب ہے

مڑ مڑ کے دیکھتے ہو چراغان نقش پا
یہ بھی خبر ہے ،آمد طوفان قریب ہے

ہر تازہ انکشاف لئے ہے ہزار بھید

http://www.hallagulla.com/urdu/

یارب ترے جہان کی پہیلی عجیب ہے

مڑ بھیڑ ہوگئی ترے کوچے میں آج بھی
پونم کا چاند میرا پرانا رقیب ہے

پھر کیا ہے، میں جو ڑد گیا پتوں کے شور سے
سنسان جنگلوں کا سفر ہی مہیب ہے

رکھنا چھپا کے درہم و دینار داغِ دل
یاں پر کسی کو یہ دولت نصیب ہے

اس کو خدودِ باغ سے باہر نہ پھینکیے
یہ برگِ زرد موسمِ گل کا نصیب ہے

اک سر پھرے کی رائے خریدی نہ جاسکی
دولت سروئے دہر بھی کتنی غربت ہے

آنکھوں کے آئینوں میں چمک آگئی شکیب
شاید طلوعِ شعر کی ساعت قریب ہے

☆

تم ان کی محفلوں میں کبھی نہ جاؤ بھی نہیں
وہ لوگ جن کے سینے میں اک گھاؤ نہیں

باران برگ گُل کہاں اپنے نصیب میں
اب رہ روانِ شوق پہ پتھراؤ بھی نہیں

یہ کالی رات، گہرا سمندر، ہوا کا زور
اور میرے پاس ٹوٹی ہوئی ناؤ بھی نہیں

تم آدمی ہو، کوئی فرشتہ نہیں شکیب
اس درجہ جرمِ عشق پہ شرماؤ بھی نہیں

جاتی ہے دھوپ اجلے پروں کو سمیٹ کے
زخموں کو اب گنوں گا میں بستر پہ لیٹ کے

میں ہاتھ کی لکیریں مٹانے پہ ہوں بضد
گو جانتا ہوں نقش نہیں یہ سلیٹ کے

دنیا کو کچھ خبر نہیں کیا حادثہ ہوا
پھینکا تھا اس نے سنگ گلوں میں لپیٹ کے

فوارے کی طرح نہ اگل دے ہر ایک بات
کم کم ہو بولتے ہیں جو گہرے ہیں پیٹ کے

اک نقرئی کھنک کے سوا کیا ملا شکیب
ٹکڑے یہ مجھ سے کہتے ہیں ٹوٹی پلیٹ کے

☆

جب چھٹ گئے تھے ہاتھ سے پتوار ، یاد ہے
ہر سو کھڑی تھی پانی کی دیوار ، یاد ہے

پھر پھول توڑنے کو بڑھاتے ہو اپنا ہاتھ
وہ بے وفا کہ جس کو بھلانے کے واسطے

اب کون ہے جو وقت کو زنجیر کرسکے
سایوں سے ڈھلتی دھوپ کی تکرار یاد ہے

چاہا نہیں کسی کو اسے چاہنے کے بعد
اپنی نگاہ کا مجھے معیار یاد ہے

باقی نہیں بیاض میں ہونٹوں سرخ چھاپ
لیکن مجھے یہ تحفہ دلدار یاد ہے

جو اشک خون مری پلکوں سے بہ نکلتے ہیں
چراغ بن کے تری رہ گزر میں جلتے ہیں

شب بہار میں مہتاب کے حسین سائے
اداس پاکے مجھے ، اور بھی مچلتے ہیں

اسیر دام جنون ہوں مجھے رہائی کہاں

یہ رنگ و بو کے قفس میرے ساتھ چلتے ہیں

وہ شمع رو کا شبستان، یہ بزم ہجراں ہے
وہاں چراغ یہاں دل کے داغ جلتے ہیں

پرائی آگ سے شاید گداز ہو جائیں
خود اپنی آگ سے کب سنگدل پگھلتے ہیں

یہ دل وہ کارگہ مرگ و زیست ہے کہ جہاں
ستارے ڈوبتے ہیں، آفتاب ڈھلتے ہیں

شکیب حسن سماعت ہے آپ کا ورنہ
دل شکستہ سے نغمے کہاں ابلتے ہیں

☆

جنگل میں پھر رہے ہیں چمن چھوڑ آئے ہیں
دیوانے شہر سرو سمن چھوڑ آئے ہیں

اس کا علاج کر نہ سکے گی کبھی بہار
پھولوں میں چٹکیوں کی دکھن چھوڑ آئے ہیں

چبھتی ہیں ان کی روح میں پھانسیں بہار کی

جو لوگ فصل گل میں چمن چھوڑ آئے ہیں

زنداں سے ساتھ لائے ہیں زنجیر خامشی
دیوانے رسم دار و رسن چھوڑ آئے ہیں

اے اجنبی دیار محبت کی اک نگاہ
ہم خانماں خراب وطن چھوڑ آئے ہیں

کچھ تم نے چن لیے ہیں ہمارے طریق زیست
کچھ ہم خصوصیات کہن چھوڑ آئے ہیں

کاش ان کی جستجو کو اٹھیں کارواں نو
کچھ نشق پا شہید وطن چھوڑ آئے ہیں

خوابوں دیویوں نے بلا یا ہے جب شکیب
ہم دو جہاں بچشم زدن چھوڑ آئے ہیں

☆

چھوا نہ تھا کبھی جس پیرہن کو پھولوں نے
لہو میں رنگ دیا آج اسے ببولوں نے

سنا تھا دشت الم سے گزرنا مشکل ہے
ہمیں نہ روک لیا ناچتے بگولوں نے

قفس نشینوں کو جا کر صبا بتا دینا
تمہیں سلام کہا ہے، مہکتے پھولوں نے

برنگ طائر بے دام اڑتے پھرتے تھے
ہمیں اسیر کیا اپنے ہی اصولوں نے

شکیب زہر ہلاہل بھی لیا ہنس کر
ہمیں سبق وہ دیا عشق کے رسولوں نے

حرف جو بھی اس زبان سے نکلا
نکہت گل کی شان سے نکلا

اس کے سائے سے کیوں گریزاں ہو
کام جس مہربان سے نکلا

آئینوں کی تراش کر چادر
پتھروں کے جہان سے نکلا

دھیرے دھیرے شکیب یاد کا شہر
دھند کے سائبان سے نکلا

☆

ہوا جو صحن گلستاں میں راج کانٹوں کا
صبا بھی پوچھنے آئی مزاج کانٹوں کا

کہو تو زخم رگ گل کا تذکرہ چھیڑیں
کہ زیر بحث ہے کردار آج کانٹوں کا

ہم اپنے چاک قبا کو رفو تو کرلیتے
مگر وہی ابھی تک مزاج کانٹوں کا

چمن سے اُٹھ گئی رسم بہار ہی شاید
کہ دل پہ بار نہیں ہے رواج کانٹوں کا

در قفس پہ اُسی کے گلے کا ہار تھے پھول
جسے ملا ہے گلستاں سے تاج کانٹوں کا

لگی ہے مہر خراشوں کی دیدہ و دل پر
شکیب کوئی کرے کیا علاج کانٹوں کا

☆

خوشبو اڑی ہے بات کی اکثر کہے بغیر
جو کچھ تھا دل میں آگیا ہے باہر کہے بغیر

مجھ کو کنوئیں میں ڈال گئے جو فریب سے

میں رہ سکا نہ ان کو برادر کہے بغیر

پا رکھ تو میں بڑا ہوں،مگر کیا چلے گا کام
اک ایک سنگ و خشت کو گوہر کہے بغیر

ڈھل بھی گئی جبیں سے اگر خون کی لکیر
یہ داستاں رہے گا نہ پتھر کہے بغیر

ہر چند مانگتا ہوں بس اک بوند زہر کی
ملتی نہیں کسی کو سمندر کہے بغیر

اُبھری ہوا میں لہر تو پھیلے گی دور تک
بہتر یہی ہے بات ادا کر کہے بغیر

یہ اور بات ہے کوئی دستک نہ سن سکے
آتی نہیں ہے موت بھی اندر،کہے بغیر

کتنی بلندیاں ہیں شکیب انکسار میں
اونچا میں ہوگیا اسے کمتر کہے بغیر

☆

خاموشی کے دکھ جھیلو گے ہنستے بولتے شہروں میں
نغموں کی خیرات نہ بانٹو جنم جنم کے بہروں میں

میں بھٹکا ہوا راہی ہوں ان پر جانے کیا بیتی
پارے جیسی بے چینی ہے آب رواں کی لہروں میں

کار جنوں پر ہنسنے والے تیرے بس کا روگ نہیں
صحرا صحرا پیا سے پھرنا تپتی ہوئی دوپہروں میں

عالم یاس میں جینا ممکن اور مرنا آساں ہے
اس سے کڑوا زہر نہیں ہے دنیا بھر کے زہروں میں

درد کے حد سے بڑھنے تک ہے آنکھوں کی یہ شادابی
دیکھنا اک دن خاک اڑے گی اشک رواں کی نہروں میں

☆

دوستی کا فریب ہی کھائیں
آؤ کاغذ کی ناؤ تیرائیں

ہم اگر رہ روی کا عزم کریں
منزلیں کھنچ کے خود چلی آئیں

ہم کو آمادہ سفر نہ کرو

راستے پر خطر نہ ہوجائیں

ہم سفر رہ گئے بہت پیچھے
آؤ کچھ دیر کو ٹھہر جائیں

مطربہ ایسا گیت چھیڑ کہ ہم
زندگی کے قریب ہوجائیں

ان بہاروں کی آبرو رکھ لو
مسکرا کہ پھول کھل جائیں

گیسوئے زیست کے یہ الجھاؤ
آؤ مل کر شکیب سلجھائیں

☆

روپ نگری میں ہم نے کیا دیکھا ؟
اپنا سایہ ہی جا بجا دیکھا

ہم نے گھبرا کے موند لیں آنکھیں
جب کوئی تارا ٹوٹتا دیکھا

لالہ و گل کی رونمائی پر

کوئی کانٹا اگر پڑا دیکھا

سچ کہو میری یاد بھی آئی
جب کبھی تم نے آئینہ دیکھا

شاخ پہ دل گرفتہ پھول ملے
آشیانہ قفس نما دیکھا

کہکشاں کے دیے بجھے پائے
چاندنی کو ملول سا دیکھا

اپنا حق بھی نہ ان سے مانگ سکے
کوئی ہم سا بھی کم نوا دیکھا

راہ گزار دو نے آنکھ جب کھولی
زندگی کو بگولہ پا دیکھا

ماہ پاروں کے جھرمٹوں میں شکیب
آج تم کو غزل سرا دیکھا

☆

زعم وفا بھی ہے ہمیں عزق بتاں کے ساتھ

ابھریں گے کیا کہ ڈوبے ہیں سنگ گراں کے ساتھ

تنہائیوں کے کیف سے نا آشنا نہیں
وابستگی ضرور ہے بزم جہاں کے ساتھ

اے چشم تر سفینہ دل کی تھی کیا بساط
ساحل نشیں بھی بہہ گئے سیل رواں کے ساتھ

ان ساعتوں کی یاد سے مہکا ہوا ہے دل
گزری تھیں جو کسی نگہ گل فشاں کے ساتھ

کہتی ہے جلتی دھوپ کہ منزل سے ذرا دور
جانا پڑے گا سایہ ابر رواں کے ساتھ

تہمت سبک روی کی بجا ہے مگر شکیب
اک رہ رو علیل بھی ہے کارواں کے ساتھ

☆

سکوں نہیں ہے مگر اب وہ بے کلی بھی نہیں
رہ حرم نہ سہی یہ تری گلی بھی نہیں

ہوائے شہر سے کیوں آئے بوئے وسوائی
کہ موج راز کبھی ناز سے چلی بھی نہیں

ابھی کہاں شبِ وعدہ کے سرمئی آثار
ابھی تو دھوپ درِ یار سے ڈھلی بھی نہیں

ہم اپنی روشنیٔ دل پہ کیوں نہ نازاں ہوں
کہ شمعِ دردِ دلِ غیر میں جلی بھی نہیں

نگاہ رنگ کے جادو پہ مر مٹے لیکن
گلِ حیات فقط رنگ کی ڈلی بھی نہیں

☆

سینہ ہے زخم زخم تو ہونٹوں پہ خامشی
مجھ کو ملا جہاں سے یہ انعامِ آگہی

بے نغمہ و صدا ہے وہ بت خانۂ خیال
کرتے تھے گفتگو جہاں پتھر کے ہونٹ بھی

اک تارہ ٹوٹ کر یمِ گردوں میں کھو گیا
اک چیخ کائنات کے دل میں اُتر گئی

کتنے ہی چاند تھے افقِ دل پہ جلوہ گر
یادوں سے جن کی آج بھی چھنتی ہے روشنی

کیا کیا نہ یاد آئے ہیں احساس بہار کے
جب دیکھتا ہوں کشت غم دل ہری بھری

تنہائیں کے ساز پہ بجتا ہے دیپ راگ
جس دم ہوائے شب سے سلگتی ہے چاندنی

شاخو، بھری بہار میں رقص برہنگی
مہکی ہوئی وہ چادر گل بار کیا ہوئی

وہ پھر رہے ہیں زخم بپا آج دشت دشت
قدموں میں جن کے شاخ گل تر جھکی رہی

یوں بھی بڑھی ہے وسعت ایوان رنگ و بو
دیوار گلستاں در زنداں سے جا ملی

رعنائیاں چمن کی تو پہلے بھی کم نہ تھیں
اب کے مگر سجائی شاخ دار بھی

(۱۰ میں سے ۵ اشعار روشنی اے روشنی میں شامل
ہیں یہاں مکمل غزل شائع کی جارہی ہے )

☆

شہر دل کے گرد پیش رات کی فصیل ہے

تیرگی کے دشت میں روشنی کی جھیل ہے

کٹ چکی ہے راہ شب، ہم نہ رک سکیں گے اب
نغمہ سحر ہمیں نالہ رحیل ہے

زندگی سے بھاگ کر جائے بھی کہاں بشر
خود ہی منزل مراد خود ہی سنگ میل ہے

ساحل نشاط کے بجھ چکے ہیں سب دیئے
درد دل کی ایک لہر ہم کو رود نیل ہے

گمراہی ہمیں شکیب دے رہی یوں فریب
رہنما غلط نہیں، راستہ طویل ہے

☆

قریہ دل تھا کبھی شہر طلسمات ہمیں
لے اڑی جانے کہاں صر صر حالات ہمیں

آج وہ یوں نگہ شوق سے بچ کر گزرے
جیسے یاد آئے کوئی بھولی ہوئی بات ہمیں

کیسے اڑتے ہوئے لمحوں کا تعاقب کیجئے

دوستو، اب یو یہی فکر ہے دن رات ہمیں

نہ سہی کوئی ہجوم گل و لالہ نہ سہی
دشت سے کم بھی نہیں کنج خیالات ہمیں

دھوپ کی لہر ہے تو سایہ دیوار ہیں ہم
آج بھی ایک تعلق ہے ترے ساتھ ہمیں

وہ اگر غیر نہ سمجھے تو کوئی بات کریں
دل ناداں سے بہت سی ہیں شکایات ہمیں

رنگ و مستی کے جزیروں میں لیے پھرتے ہیں
اس کی پائل سے چرائے ہوئے نغمات ہمیں

☆

قیامت ہے میرا دل مرکز آلام ہوجائے
یہ شیشے کی عمارت پتھروں کے نام ہوجائے

خموشی بول اٹھے ہر نظر پیغام ہوجائے
یہ سناٹا اگر حد سے بڑھے کہرام ہوجائے

ادھر مہتاب اونچا ہو ذرا چھت کی منڈیریوں سے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

ادھر قربان اس پر آفتاب شام ہوجائے

ہمیں تو ہر قدم پر کارواں کا ساتھ دینا ہے
جہاں سب ہم سفر چاہیں وہیں بسرام ہوجائے

ستارے مشعلیں لے کر مجھے بھی ڈھونڈنے نکلیں
میں رستہ بھول جاؤ جنگلوں میں شام ہوجائے

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سن کر لرزہ بر اندام ہوجائے

مثال ایسی ہے اس عہد خرد کے ہوشمندوں کی
نہ ہو دامن میں ذرہ اور صحرا نام ہوجائے

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کر چلتے ہیں جو رستہ عام ہوجائے

( نو میں سے پانچ اشعار روشنی اے روشنی میں شامل ہیں یہاں مکمل غزل شائع کی جارہی ہے)

☆

کچھ مت پوچھو وقت نے اب چلی ہے کیسی چال
بن گئے پربت روئی کے گالے، بھر گئے خون کے تال

کیسی بلندی کیسی پستی ایک ہے سب کا حال
سمجھے تھے آکاش جسے نکلا وہ بھی پاتال

اب میں ہوں اور حد نظر تک ویرانی کی دھول
اڑ گئی خوشبو جھڑ گئے پتے رہ گئی خالی ڈال

قریہ قریہ مانگتے پھرنا شبنم کی اک بوند
سورج کی پونجی ہی کیا ہے پیتل کا اک تھال

آنکھ سے آنسو ٹپکا یا کوئی تارا ٹوٹا تھا
بستی بستی پھیل گیا کیوں آوازوں کا جال

اپنے ہی سائے کے پیچھے بھاگ رہا ہے کوئی
دشت وفا میں پڑ گیا شاید انسانوں کا کال

رات کی شہزادی پر جانے کیا افتاد پڑی
کانسی کا ہے طوق گلے میں سر پر میلی شال

خوشبو کی لپٹیں دیتے ہیں دیکھو میرے ہاتھ
میں نے چھو کر دیکھ لیے ہیں غم کے خدوخال

سیپیاں چنتے ساحل ساحل گھومیں لوگ شکیب
اشکوں کے موتی چن کر تو ہوگئے مالا مال

☆

کبھی جو پرسشِ حالات ہوگئی ہوگی
خدا گواہ کہ برسات ہوگئی ہوگی

جو راہِ شوق میں حائل تھے فاصلے تو کیا
نظر نظر میں ملاقات ہوگئی ہوگی

ہوا سے آپ کی زلفیں بکھر گئی ہوں گی
فضا میں بارشِ ظلمات ہوگئی ہوگی

کسی نے شرم سے چہرہ چھپا لیا ہوگا
نگاہ محوِ جمالات ہوگئی ہوگی

وہ اجنبی کی طرح پیش آئے ہوں گے شکیب
جو راستے میں ملاقات ہوگئی ہوگی

☆

کوئی اس دل کا حال کیا جانے
ایک خواہش ہزار تہہ خانے

آپ سمجھے نہ ہم ہی پہچانے
کتنے مبہم تھے دل کے افسانے

زیست کے شور و شر میں ڈوب گئے
وقت کو ناپنے کے پیمانے

پھر ہوا کوئی بدگماں ہم سے
پھر جنم لے رہے ہیں افسانے

شوخیِ برق ہے نہ رقصِ نسیم
سو گئے ہیں بہار کے شانے

کتنا مشکل ہے منزلوں کا حصول
کتنے آساں ہیں جال پھیلانے

دور سے ایک چیخ ابھری تھی
بن گئے بے شمار افسانے

موت نے آج خود کشی کر لی
زیست پر کیا بنی خدا جانے

راز یہ ہے کہ کوئی راز نہیں
لوگ پھر بھی مجھے نہ پہچانے

☆

گونجتا ہے نالۂ مہتاب آدھی رات کو
ٹوٹ جاتے ہیں سہانے خواب آدھی رات کو

بھاگتے سایوں کی چیخیں،ٹوٹتے تاروں کا شور
میں ہوں اور اک محشرِ بے خواب آدھی رات کو

اک شکستہ خواب کی کڑیاں ملانے آئے ہیں
دیر سے بچھڑے ہوئے احباب آدھی رات کو

دولتِ احساسِ غم کی اتنی ارزانی ہوئی
نیند سی شے ہوگئی نایاب آدھی رات کو

☆

گھائل نہیں جو حسنِ گل تر کا آدمی
یہ جانیے کہ ہے وہی پتھر کا آدمی

گہرائیوں میں جاکے بھی کیا بات ہے کہ اب
سنتا ہے شور سطحِ سمندر کا آدمی

کیسی چلی یہ تیغ کہ ثابت رہا بدن

تقسیم ہو گیا مگر اندر کا آدمی

زب خوں کے ڈر سے تھا مجھے ہر پیڑ پر گماں
یہ بھی نہ ہو غنیم کے لشکر کا آدمی

تنہائیوں کی بھیڑ ہے گھیرے ہوئے مجھے
اب میں ہوں اپنے شہر میں باہر کا آدمی

دشت طلب بھی کیا کائی شہر طلسم ہے
دیکھا جو مڑ کے، ہو گیا پتھر کا آدمی

آنکھیں وہ خود ہی پھوڑ لیں جن کی شعاع سے
لیتا تھا لطف شام کے منظر کا آدمی

پھر آن کر گرے نہ اسی فرش خاک پر
اڑتا ہے کیا ہواؤں میں بے پر کا آدمی

ٹانگوں میں بانس باندھ کے چلتے ہیں سب یہاں
کیوں کر ملے شکیب برابر کا آدمی

☆

لودے اٹھے وہ حرف طلب سوچ رہے ہیں
کیا لکھیے سر دامن شب سوچ رہے ہیں

کیا جانیئے منزل ہے کہاں، جاتے ہیں کس سمت
بھٹکی ہوئی اس بھیڑ میں سب سوچ رہے ہیں

بھیگی ہوئی اک شام کی دہلیز پہ بیٹھے
ہم دل کے سلگنے کا سبب سوچ رہے ہیں

بجھتی ہوئی شمعوں کا دھواں ہے سر محفل
کیا رنگ جمے آخر شب سوچ رہے ہی

اس لہر کے پیچھے بھی رواں ہیں نئی لہریں
پہلے نہیں سوچا تھا جو اب سوچ رہے ہیں

☆

مرے خلوص کی شدت سے کوئی ڈر بھی گیا
وہ پاس آتو رہا تھا مگر ٹھہر بھی گیا

یہ دیکھنا تھا بچانے بھی کوئی آتا ہے
اگر میں ڈوب رہا تھا تو خود ابھر بھی گیا

اے راستے کے درختو سمیٹ کو سایہ

تمہارے جال سے بچ کر کوئی گزر بھی گی

کسی طرح سے تمہاری جبیں چمک تو گئی
یہ اور بات سیاہی میں ہاتھ بھر بھی گیا

اسی پہاڑ نے پھونکے تھے کیا کئی جنگل
جو خاک ہوکر مرے ہاتھ پر بکھر بھی گیا

یہیں کہیں مرے ہونٹوں کے پاس پھرتا ہے
وہ ایک لفظ کہ جو ذہن سے اتر بھی گیا

وہ شاخ جھول گئی جس پہ پاؤں قائم تھے
شکیب ورنہ مرا ہاتھ تا ثمر بھی گیا

☆

میں وہ نہیں جو ہار گیا موج درد سے
پھر پھوٹتی ہے سرخ کلی شاخ زرد سے

لوگوں کو تھا گمان کہ جاتا ہے قافلہ
رہ رو تو نکلا ایک ہی دیوار گرد سے

جھپٹے نہ میرے بعد کسی بھی چراغ پر

یہ سوچ کر میں لڑتا رہا باد سرد سے

دھاگے میں کیا پروئیے ذروں کو ریت کے
یوں بھی جدا رہے گا یہاں فرد فرد سے

واقف کسی سے کون، جہاں ہم طرح ہوں سب
بستی کا حال پوچھیے صحرا نورد سے

پتھر کے بند باندھ کے بیٹھے ہیں کب جری
کرتا ہے چھیڑ موجہ طوفاں بھی مرد سے

دل میں کھلا ہے روشنی کا بادباں شکیب
آگے ملوں گا اب میں ستاروں کی گرد سے

☆

وہ کون ہے جو تمہارا سراغ پا نہ سکا
کہ میں تو اپنے ہی صحرا کے پار جا نہ سکا

وہ اپنا معنوی چہرہ مجھے دکھا نہ سکا
اس آئینے سے کائی بھی نظر ملا نہ سکا

یہ ٹھنڈی آگ جدا ہے بدن کے شعلے سے

http://www.hallagulla.com/urdu/

بدن کا شعلہ مری روح کو جلا نہ سکا

کسی کی بات تھی جو اس نے ڈال دی مجھ پر
وہ آج خود تو ہنسا پر مجھے ہنسا نہ سکا

اسی لیے تو اجالا ہے مرے سینے میں
میں بھول کر بھی کسی کا دیا بجھا نہ سکا

کچھ اتنے ہاتھ بھے تھے مجھے گرانے کو
کہ ڈگمگانا بھی چاہا تو ڈگمگا نہ سکا

وہ پیرہن ہوں میں اپنے برہنہ جوئی کا
جو کوئی زخم تری آنکھ، سے چھپا نہ سکا

جو لوحِ دل ہوئی ٹکڑے تو یہ خیال آیا
کہ میں بھی سنگ اٹھاؤں مگر اٹھا نہ سکا

شکیب روح میں طوفاں کا شور باقی ہے
میں اپنا درد کسی ساز پہ نہ سکا

☆

یہ کرن ،پھول ،بالیاں ، جھمکے
استعارے ہیں ماہ و انجم کے

لالہ و گل ستارہ عمہتاب
راز جو ہیں ترے تبسم کے

بات پہنچی قیود محفل تک
تذکرے تھے تیرے تکلم کے

تیرے آنکھوں کے روبرو آئیں
حوصلے کیا ہیں ساغر و خم کے

ہم فقط آنسوؤں کے سوداگر
تم خریدار ماہ انجم کے

☆

یہ پھول نہ وہ ماہ مبیں میرے لئے ہے
زخم جگر و داغ جبیں میرے لئے ہے

پلکوں پہ سجاؤں کہ اسے دل میں چھپاؤں
شبنم کا گہر تاب نگیں میرے لئے ہے

اپنے کسی دکھ پر مری آنکھیں نہیں چھلکیں

روتا ہوں کہ وہ آج غمیں میرے لئے ہے

دیوار جدائی کی اٹھاتی رہے دنیا
اب وہ رگ جاں سے بھی قریں میرے لئے ہے

ق
آتی ہے تیرے پائے حنائی کی مہک سی
مخمل سے سوا فرش زمیں میرے لئے ہے

رقصاں ہیں بہر گام تری یاد کے جگنو
اب دشت بھی فردوس بریں میرے لئے ہے

چاہے گا اسے کون شکیب اتنی لگن سے
وہ شمع فروزاں ہو کہیں، میرے لئے ہے

☆

یہ لطف زہر نہ بن جائے زندگی کے لئے
چلے تو آئے ہو تجدید دوستی کے لئے

نحیف ضو کو عجب طرح تقعیت دی ہے
اندھیرے ڈھونڈ کے لائے ہو زندگی کے لئے

نہ جانے ہو گیا کیوں مطمئن تمہیں پا کر

بھٹک رہا تھا مری دل خود آگہی کے لئے

جنہیں خود اپنی حقیقت پہ اعتماد نہ تھا
تمھارے در چلے آئے بندگی کے لئے

چلے تو اسے چلے جیسے بے نیام مقام
رکے تو ایسے رکے جیسے آپ ہی کے لئے

تمھاری سہل پسندی نے ہر قدم پہ شکیب
نئے اصول تراشے ہیں رہ روی کے لئے

☆

﴾ آئیندہ آنے والی تینوں غزلیں ،، شاید شکیب جلالی کی حیات کے بلکل آخری دور کی ہیں جب وہ اپنی نفسیاتی بیماریوں سے جنگ میں مصروف تھے۔نامکمل صفات پینسل سے تحریر کئے گئے ہیں ۔اس کو اسی تناظر میں پڑھا اور جانچا جائے۔﴿

☆

سر راہ اب نہ یوں مجھ کو پکارو، تم ہی آجاؤ
زرا زحمت تو ہوگی رازدارو ،تم ہی آجاؤ

کہیں ایسا نہ ہو دم توڑدیں حسرت سے دیوانے
قفس تک ان سے ملنے کو بہار و تم ہی آجاؤ

بروسا کیا سفینے کا کئی طوفان حائل ہیں
ہماری ناخدائی کو کنارو ، تمہی آجاؤ

ابھی تک وہ نہیں آئے یقیناً رات باقی ہے
ہماری غم گساری کو ستارو ،تم ہی آجاؤ

شکیب غم زدہ کو درد سے ہے اب کہاں فرصت
اگر کچھ وقت مل جائے تو پیارو ، تم ہی آجاؤ

☆

سونے کا بت ہے کیا جو وہ لب کھولتا نہیں
شامل ہے انجمن میں مگر بولتا نہیں

ڈسوا دیا ہے ناگ سے اس جرم پر مجھے
جیون میں دوسرے کے میں بس گھولتا مجھے

جب سے سفر کو مان لیا میں نے زندگی
خنجر کی دھار پر بھی کبھی ڈولتا نہیں

دامن میں مرے جمع ہیں ہر بے نوا کے اشک
کیا کیا گہر ہیں جن کو کوئی رولتا نہیں

شعلے پہنچ گئے ہیں سرِ شاخِ آشیاں
اب کیوں شکیب اڑنے کو پر تولتا نہیں

میں خندہ اب نہ سہی ،مرا دل اداس تو ہے
کہ اس نگر میں بجھی مشعلوں کی باس تو ہے

میں اپنے چاک گریباں پہ مضمحل کیوں ہوں
اس آئنے میں مری روح بے لباس تو ہے

میں کیوں بجھاؤں کسی گل کے عارضوں کے چراغ
یہ زرد رنگ مری زندگی کو راس تو ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

# نظمیں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

## پاداش

کبھی اس سبک روندی کے کنارے گئے ہی نہیں ہو
تمہیں کیا خبر ہے
وہاں ان گنت کھردرے پتھروں کے
سجل پانیوں نے

ملائم ،رسیلے ،مدھر گیت گا کر
امٹ چکنی گولائیوں کو ادا سونپ دی ہے
وہ پتھر نہیں تھا
جسے تم نے بے ڈول ،ان گھڑ سمجھ کر
پرانی چٹانوں سے ٹکرا کے توڑا
اب اس کے سلگتے تراشے
اگر پاؤں میں چبھ گئے ہیں
تو کیوں چیختے ہو؟

☆

# اِندمال

شام کی سیڑھیاں کتنی کرنوں کا مقتل بنیں
مسموم نے توڑکر کتنے پتے سپردِ خزاں کردے
بہہ کے مشکیزہ ابر سے کتنی بوندیں زمیں کی غذا بن گئیں
غیر ممکن تھا ان کا شمار
تھک گئیں گننے والے ہر اک ہاتھ کی آنگلیاں

، ان گنت، کہہ کے آگے بڑھا وقت کا کارواں
ان گنت تھے مرے زخم دل
ٹوٹی کرنوں ،بکھرتے ہوئے زرد پتوں ،برستی ہوئی بوندیں کی طرح
اور مرہم بھی ناپید تھا
لیکن اس روز دیکھا جو اک طفل نوئیدا ں کا خندہ زیرلب
زخم دل مندمل ہوگئے سب کے سب

# جہت کی تلاش

یہاں درخت کے اوپر اگا ہوا ہے درخت
زمین تنگ ہے جیسے کبھی فراخ نہ تھی
ہوا کا کال پڑا ہے ،نمی بھی عام نہیں
سمندروں کو بلو کر،فضاؤں کو متھ ہے
جنم دئے ہیں اگر چند ابر کے ٹکڑے
جھپٹ لیا ہے انھیں یوں دراز شاخوں نے
کہ نیم جان تنے کو زرا خبر نہ ہوئی
جڑیں بھی خاک تلے ایک ہی لگن میں رواں
نہ تیرگی سے مفر ہے،نہ روشنی کا سوال ہے
زمیں میں پاؤں ڈھنسے ہیں فضا میں ہاتھ بلند
نئ جہت کا لگے اب درخت میں پیو ند

# دلاسہ

ہم ملے کب تھے
جدائی پر جو ویراں نگاہ و غم بجاں
ہاتھ میں ہو نرم ہاتھ
لب ہوں لب پر مہرباں
اس پہ کیا موقوف ہے ربط بہم کی داستاں
رہ گزار خاک پر
دور سے دو رویہ پیڑوں کی قطاریں
لاکھ آتی ہوں نظر
اپنے سر جوڑے ہوئے
درمیاں ان کے مگر
کب نہ حائل تھا غبارِ رہ گزر
ہم ملے کب تھے
جدائی پر جو ہوں ویراں نگاہ و چشم تر

☆

# یاد

رات اک لڑکھڑاتے جھونکے سے
ناگہاں سنگ سرخ کی سل پر
آئینہ گر کے پاش پاش ہوا
اور ننھی نکیلی کرچوں خوب

ایک بوچھاڑ دل کو چیر گئی

☆

## جاگتی آنکھیں

www.HallaGulla.com

کس کو گماں تھا ،اک نقطے کی آغوش اتنی کشادہ ہوگی
جس میں انت سرے تک بھری پہنائی
گُھل مل کر رہ جائے گی

کس کو خبر تھی،انجانے پن کی گرد ایک لبادہ ہوگئی
جس کے تلے صدیوں کی سر بستہ دانائی

اپنی چھپ دکھلائے گی
کس کو یقیں،تھادور کے لمس کی تاثیراتنی زیادہ ہوگی
جس سے سنگین پیکر میں جامد رعنائی
رُوح کی ندرت پائے گی

ایسی انہونی باتوں میں سچ کی کینیں ٹانک چکا ہوں
میں ان جاگتی آنکھوں کے گمبھیر طلسم میں جھانک چکا ہوں

☆

## گریزپا

دھیرے دھیرے گر رہی تھیں نخلِ شب سے چاندنی کی پتیاں
بہتے بہتے ابر کا ٹکڑا کہیں سے آ گیا تھا درمیاں
ملتے ملتے رہ گئی تھیں مخملیں سبزہ پہ دو پرچھائیاں
جس طرح سپنے کے جھولے سے کوئی اندھے کنویں میں جا گرے
ناگہاں کجلا گئے تھے شرمگیں آنکھوں کے نورانی دیے
جس طرح شورِ جرس سے کوئی وا ماندہ مسافر چونک اٹھے
یک بیک گھبرا کے وہ نکلی تھی میرے بازوؤں کی قید سے
لب سلگتے رہ گئے، چھلکا نہیں گیا تھا جام بھی
اور میری بے بسی پر ہنس پڑی تھی چاندنی

آج تک احساس کی چلمن سے الجھا ہے یہ مبہم سا سوال
اس نے آخر کیوں بنا تھا بہکی نظروں سے حسیں چاہت کا جال؟

# لرزتا دیپ

دورِ شب کا سرد ہات
آسماں کے خیمۂ زنگار کی
آخری قندیل گُل کرنے بڑھا
اور کومل چاندنی
ایک در بستہ گھروندے سے پرے

مضمحل پیڑوں پہ گر کر بجھ گئی

بے نشاں سائے کی دھیمی چاپ پر
اونگھتے رستے کے ہر ذرے نے پل بھر کے لیے
اپنی پلکوں کی بجھی درزوں سے جھانکا
اور آنکھیں موند لیں

اس سمے طاق شکستہ پر لرزتے دیپ سے
میں نے پوچھا
ہم نفس
اب ترے بجھنے میں کتنی دیر ہے ؟

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

## سفیر

میں روشنی کا مغنی، کرن کرن کا سفیر
وہ سیل مہ سے کہ رود شرار سے آئے
وہ جام مے سے کہ چشم نگار سے آئے
وہ موج باد سے یا آبشار سے آئے

وہ دستِ گل سے کہ پائے فگار سے آئے
وہ لوحِ جاں سے کہ طاقِ مزار سے آئے
وہ قصرِ خواب سے یا خاک زار سے آئے
وہ برگِ سبز سے یا چوب دار سے آئے
جہاں کہیں ہو دلِ داغ دار کی تنویر
وہیں کھلیں مری بانہیں، وہیں کٹے زنجیر

☆

# انفرادیت پرست

ایک انساں کی حقیقت کیا ہے
زندگی سے اسے نسبت کیا ہے
آندھی اٹھے تو اڑا لے جائے
موج بپھرے تو بہا لے جائے
ایک انساں کی حقیقت کیا ہے
ڈگمگائے تو سہارا نہ ملے
سامنے ہو پہ کنارا نہ ملے
ایک انساں کی حقیقت کیا ہے
کند تلوار قلم کر ڈالے
سرد شعلہ ہی بھسم کر ڈالے
زندگی سے اسے نسبت کیا ہے
ایک انساں کی حقیقت کیا ہے

☆

# عکس اور میں

آبجو میں ایک طلسمی عکس ابھرا تھا ابھی

دہکے عارض؛؛؛آئینے میں تیز شعلوں کی ضیا
احمریں لب؛؛؛زخم تازہ موج خوں سے آشنا
تیکھے ابرو؛؛؛ لوح سیمیں پر دھوئیں کا خط کھنچا
بکھرے گیسو؛؛؛کالی راتوں کا ملائم ڈھیر سا
بہتی افشاں؛؛؛جگمگاتی مشعلوں کا قافلہ
گہری آنکھیں؛؛؛دور تک منظر سہانے خواب کا

آبجو میں اک طلسمی عکس ابھرا تھا ابھی

نقری پانی کے جو آنچل میں جھلمل کر رہی تھی کون تھی
حور تھی تخلیل کے رمنوں کی یا وہ جل پری تھی، کون تھی
اس پہیلی کی گرہ کھلنے سے پہلے ہی نگاہوں پر مری
ریشمیں قدموں کی آہٹ سے خلا کی سبز چلمن آ گری

آبجو میں نرم لہروں کا خرام بے جرس
یا کفِ ساحل پہ میرے نقش پا تھے اور بس

☆

# دعوت فکر

کس طرح ریت کے سمندر میں
کشتی زیست ہے رواں سوچو

سن کے باد صبا کی سرگوشی
کیوں لرزتی ہیں پتیاں سوچو

پتھروں کی پناہ میں کیوں ہے
آئینہ ساز کی دکاں سوچو

اصل سر چشمہ وفا کیا ہے
وجہ بے مہری بتاں سوچو

ذوق تعمیر کیوں نہیں مٹتا
کیوں اجڑتی ہیں بستیاں سوچو

فکر سقراط ہے زہر کا گھونٹ
باعث عمر جاوداں سوچو

لوگ معنی تراش ہی لیں گے
کوئی بے ربط داستاں سوچو

☆

## زاویے

رات تھی، میں تھا اور اک میری سوچ کا جال
پاس سے گزرے تین مسافر دھیمی چال

پہلا بولا؛؛ مت پوچھو اس کا احوال
دیکھ لو تن پر خون کی فرغل، خون کی شال

دوسرا بولا؛؛ اور ہی کچھ ہے میرا خیال
یہ تو خزاں کا چاند ہے، گھائل غم سے نڈھال

تیسرا بولا؛؛ بس یوں سمجھو اس کی مثال
اندھیارے کے بن میں جیسے شب کا غزال

ان کی روح تھی خود کالی پیلی اور لال
میرا وجود ہے ورنہ اب تک ایک سوال

☆

## ہمارا دور

گلوں میں حسن شگوفوں میں بانکپن ہوگا
وہ وقت دور نہیں جب چمن چمن ہوگا

جہاں پہ آج بگولوں کا رقص جاری ہے
وہیں پہ سایہ شمشاد و نسترن ہوگا

فضائیں زرد لبادے اتار پھینکیں گی
عروس وقت کا زرکار پیرہن ہوگا

نسیم صبح کے جھونکے جواب دہ ہوں گے
کسی کلی کا بھی ماتھا جو پر شکن ہوگا

نئے اصول نئی منزلیں تراشیں گے
یہ قافلہ مہ و انجم میں خیمہ زن ہوگا

بڑے سکون سے تعمیر زندگی ہوگی
کہیں یزید، نہ آذر، نہ اہرمن ہوگا

بتان عصر کے خالق کو باخبر کو دو
نئے زمانے کا ہر فرد بت شکن ہوگا

دکھے دلوں کی خراشیں جو کر سکے محسوس
اک ایسا صاحب دل صدر انجم ہرگا

ہمارا دور مساوات لے کے آئے گا
ہمارے دور میں ہر آدمی مگن ہوگا

☆

# شہرِ گل

کچھ نہ تھا شوخیِ رفتارِ صبا کا حاصل
نکہتِ گل کی پھواروں پہ کڑے پہرے تھے
چمپئی بیل کے سیالِ نمو پر قدغن
سرو سوسن کی قطاروں پہ کڑے پہرے تھے
حلقۂ برق میں اربابِ گلستاں نحوس
دم بخود راہ گزاروں پہ کڑے پہرے تھے

دفعتاً شور ہوا، ٹوٹ گئیں زنجیریں
زمزمہ ریز ہوئیں مہر بلب تصویریں

دو گھڑی کے لیے گھر گھر میں چراغاں سا ہوا
جیسے ضو کاریِ انجم پہ کوئی قید نہیں
بند کلیوں نے تراشیدہ لبوں کو کھولا
پھول سمجھے کہ تبسم پہ کوئی قید نہیں
گھنگریاں باندھ کے پیروں میں صبا اٹھلائی
جیسے اندازِ ترنم پہ کوئی قید نہیں

یہ فقط خواب تھا، اس خواب کی تعبیر بھی ہے
شہرِ گل میں کوئی ہنستی ہوئی تصویر بھی ہے

☆

## خداوندانِ جمہور سے

عروسِ صبح سے آفاق ہمکنار سہی
شکستِ سلسلۂ قیدِ انتظار سہی

نگاہ مہر جہاں تاب کیوں ہے شرمندہ
شفق کا رنگ شہیدوں کی یادگار سہی

بکھرتے خواب کی کڑیوں کو آپ چن دیجئے
کیا تھا عہد جو ہم نے وہ پائیدار سہی

ہجوم لالہ و ریحاں سے داد چاہتے ہیں
یہ چاک چاک گریباں گلے کا ہار سہی

گنے جو زخم رگ جاں شریک جشن حیات
پیے جا ساغر زہراب بادہ خوار سہی

چمن میں رنگ طرب کی کوئی کمی نہ رہے
ہمارا خون جگر غازۂ بہار سہی

تھکن سے چور ہیں پاؤں، کہاں کہاں بھٹکیں
ہر ایک گام نیا حسن رہ گزار سہی

سکوں بدوز کنارا بھی اب ابھر آئے
سفینہ ہائے دل و جاں بھنور کے پار سہی

☆

## نئی کرن

جہاں پناہ؛ سسکنے لگی چراغ کی لو
شعاعِ تازہ سے چھلنی ہے سینۂ ظلمات
بلند بام ہراساں ہیں رہ نشینوں سے
اک ایسے موڑ پہ آئی ہے گردشِ حالات

جسے بھی دیکھئے لب پر سجائے پھرتا ہے
نرالے دور کا قصہ اچھوتے دور کی بات
جنہیں تھا حکمِ خموشی وہی پکار اٹھے
ہمیں بھی اذنِ تبسم،ہمیں بھی اذنِ حیات

طلب ہوئی ہے جنہیں بے کراں اجالوں کی
سرابِ نجم و قمر سے بہل نہیں سکتے
نئی کرن سے اندھیروں میں برہمی ہی اہی
نئی کرن کو اندھیرے نگل نہیں سکتے

جہاں پناہ؛ جمالِ سحر کی جوئے رواں
افق افق کو درخشاں بنا کے دم لے گی
پلک پلک سے مٹائے گی داغ اشکوں کے
نظر نظر کو تبسم سکھا کے دم لے گی

خزاں رسیدہ چمن ہوں کہ ریت کے ٹیلے
قدم قدم پہ زگوفے کھلا کے دم لے گی
ازل سے سینۂ ویراں ہے منتظر جس کا
نفس نفس وہی خوشبو رچا کے دم لے گی

http://www.hallagulla.com/urdu/

# جشنِ عید

سبھی نے عید منائی مرے گلستاں میں
کسی نے پھول پروئے، کسی نے خار چنے
بنامِ اذنِ تکلم، بنامِ جبرِ سکوت
کسی نے ہونٹ چبائے،کسی نے گیت سنائے

بڑے غضب کا گلستاں میں جشنِ عید ہوا
کہیں تو بجلیاں کوندیں کہیں چنار جلے
کہیں کہیں کوئی فانوس بھی نظر آیا
بطورِ خاص،مگر قلب داغ دار جلے

عجب تھی عیدِ خمستاں، عجب تھا رنگِ نشاط
کسی نے بادہ ساغر،کسی نے اشک پیے
کسی نے اطلس و کمخواب کی قبا پہنی
کسی نے چاکِ گریباں،کسی نے زخم سیئے

ہمارے ذوقِ نظارہ کو عید کے دن بھی
کہیں پہ سایہ ظلمت،کہیں پہ نور ملا
کسی نے دیدہ دل کے کنول کھلے پائے
کسی کو سارِ احساس چکنا چور ملا

http://www.hallagulla.com/urdu/

بہ فیضِ عید بھی پیدا ہوئی نہ یک رنگی
کوئی ملول ،کوئی غم سے بے نیاز رہا
بڑا غضب ہے،خداوند کاثر و تسنیم
کہ راز عید بھی طبقوں کا امتیاز رہا

## لہو ترنگ

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے شہیدوں کی یاد میں!

( پہلی آواز)

ہمیں قبول نہیں زندگی اسیری کی
ہم آج طوق و سلاسل کو توڑ ڈالیں گے
ہمارے دیس پہ اغیار حکمراں کیوں ہوں
ہم اپنے ہاتھ میں لوح و قلم سنبھالیں گے
فضا مہیب سہی، مرحلے کٹھن ہی سہی
سفینہ حلقہ طفاں سے ہم نکالیں گے
نقوش راہ اگر تیرگی میں ڈوب گئے
ہم اپنے خوں سے ہزاروں دیے جلائیں گے

( دوسری آواز)

جو لوگ لے کے اٹھے ہیں علم بغاوت کا
انہیں خود اپنی ہلاکت پہ نوحہ خواں کر دو
بجھاؤ گرم سلاخوں کو ان کی آنکھوں میں
زبانیں کھینچ لو گدی سے، بے زباں کر دو

ہدف بناؤ دلوں کو سلگتے تیروں کا
سناں سے جسموں کو چھیدو، شکستہ جاں کر دو
ہر ایک گام پہ استادہ سولیاں کو دو

(تیسری آواز)

یہ غم نہیں کہ سرِ دار آئے جاتے ہیں
ہمیں خوشی ہے، وطن کو جگائے جاتے ہیں
ہمارے بعد سہی، رات ڈھل تو جائے گی
دلوں میں شمع جنوں تو جلائے جاتے ہیں
ہمارے نقشِ قدم دیں گے منزلوں کا سراغ
ہمیں شکست نہ ہوگی، بتائے جاتے ہیں
جواں رہیں گی ہمارے لہو کی تحریریں
سدا بہار شگوفے کھلائے جاتے ہیں

# عید کی بھیک

حضور، آپ مرے مائی باپ، ان داتا
حضور، عید کا دن روز تو نہیں آتا
حضور، آج تو نذرِ علیؑ، نیازِ رسولﷺ

حضور، آپ کے گھر میں ہو رحمتوں کا نزول
حضور، آج ملے جان و مال کی خیرات
حضور، احمد مرسل کی آل کا صدقہ
حضور، فاطمہ زہرا کے لال کا صدقہ
حضور، آپ کی اولاد آبرو کی خیر
حضور، آپ کے بیٹے اور بہو کی خیر
حضور، آپ کے بچے جئیں اور پھولے پھلے
حضور، آپ عزیزوں کی ہر خوشی دیکھیں
حضور، آپ کو مولا صدا سکھی رکھے
حضور، آپ کی جھولی خدا بھری رکھے
حضور، نام خدا کار خیر فرمائیں
حضور، آپ کے دل کی مرادیں بر آئیں
حضور، آج گداگر کو بھیک مل جائے
حضور، کب سے کھڑا ہوں میں ہاتھ پھیلائے
حضور، آنے دو آنے کی بات ہی کیا ہے
حضور، آنکھیں چرانے کی بات ہی کیا ہے
حضور، میری صداؤں پہ غور تو کیجئے
فقیر یہ نہیں کہتا گلے لگا لیجئے

# بنام اہل چمن

چمن میں اہل چمن فکر رنگ و بو تو کرو
بجھے بجھے سے شگوفوں کو شعلہ رو تو کرو

ابھی سے جشنِ بہاراں ابھی سے شغلِ جنوں
کلی کلی کو گلستاں میں سرخرو تو کرو

یہیں پہ لالہ و گل کا ہجوم دیکھو گے
خلوصِ دل سے بہاروں کی آرزو تو کرو

یہ کیا کہ گوشۂ صحرا میں تھک کے بیٹھ گئے
اگر قیام کرو، نزدِ آبِ جو تو کرو

گھنیری چھاؤں کی وادی یہیں کہیں ہو گی
کڑکتی دھوپ میں سائے کی جستجو تو کرو

بلندیوں کے مکینو، بہت اداس ہیں ہم
زمیں پہ آ کے ہم سے گفتگو تو کرو

تمہیں بھی علم ہو، اہلِ وفا پہ کیا گزری
تم اپنے خونِ جگر سے کبھی وضو تو کرو

نہیں ہے ریشم و کمخواب کی قبا، نہ سہی
ہمارے دامنِ صد چاک کو رفو تو کرو

نگارِ صبحِ گریزاں کی تابشوں کو کبھی
ہمارے خانۂ ظلمت کے رو برو تو کرو

طلوعِ مہرِ درخشاں ابھی کہاں یارو

سیاہیوں کے افق کو لہو لہو تو کرو

## آس

اک صحرا
جس کے ذرے ذرے چنتے چنتے
میری انگلیاں شل ہوجائیں گی
ایک سمندر
جس کے جرعے پیتے پیتے
میری سانس اکھڑ جائے گی

## تنہا ستارہ

وہ میری شمع رخ مہ جبیں
خوشبوؤں کی مکیں
آج مجھ سے بہت دور ہے
اتنی ہی دور جتنا تنہا ستارہ نیلگوں شام کے

دشت میں
مگر اس کے چہرے کی کرنیں مری چشم
حیراں سے اوجھل نہیں ہیں

## روشنیوں کے دشمن

روشنیوں کے دشمن ادھر آرہے ہیں
ڈھانپ دو قمقمے
لالٹینوں پہ مل دو سیاہی کا زہر
روشنیوں پہ منڈھ دو اندھیرے کے بوجھل غلاف
کھڑکیوں سے نہ نکلے اجالے کی مدہم سی لہر
روزنوں سے بھی جھانکے نہ کوئی سجیلی کرن
آرہے ہیں ادھر روشنیوں کے دشمن
روشنیوں کے دشمن
اجالوں کے قاتل

## ساتھی

میں اس کو پانا بھی چاہوں
تو یہ میرے لیے ناممکن ہے
وہ آگے آگے تیز خرام
میں اس کے پیچھے پیچھے
افتاں خیزاں

آوازیں دیتا
شور مچاتا
کب سے رواں ہوں
برگ خزاں ہوں
جب میں اکتا کر رک جاؤں گا
وہ بھی پل بھر کو ٹھہر کر
مجھ سے آنکھیں چار کرے گا
پھر اپنی چاہت کا اقرار کرے گا
پھر میں
منہ موڑ کے
تیزی سے گھر کی جانب لاٹوں گا
اپنے نقش قدم روندوں گا
اب وہ دل تھام کے
میرے پیچھے لپکتا آئے گا
ندی نالے
پتھر پربت پھاندتا آجائے گا
میں آگے آگے
وہ پیچھے پیچھے
دونوں کی رفتار رہے اک جیسی
پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے
وہ مجھ کو
یا میں اس کو پالوں

# پاکیزگی

گدلے تالاب میں مہ شب تاب
رات بھر تیرتا رہا لیکن
اس کے چہرے کی آب ڈھل نہ سکی

# چرواہے کا گیت

یہ مری اجلی بھیڑوں کا ریوڑ نہیں
ہوا دودھیا بادلوں کو اڑائے لیے جارہی ہے

# کالا پتھر

میرا چہرہ آئینہ ہے
آئینے پر داغ جو ہوتے
لہو کی برکھا سے میں دھوتا

اپنے اندر جھانک کے دیکھو

دل کے پتھر میں کالک کی کتنی پرتیں
جمی ہوئی ہیں
جن سے ہر نتھرا ستھرا منظر کجلا سا گیا
دریا سوکھ سے گئے ہیں شرم کے مارے
کوئلے پر سے کالک کون اتارے

www.HallaGulla.com

# نزرِ وطن

---------ا---------

عرض پاک اے وطن
مہر وماہ سے حسین ترے گلاب و یاسمن
تیرے پھول پھول پر فدا شفق کا بانکپن
ایک برگ کے عوض نہ لوں بہار صد چمن
تجھ میں خلد کی پھبن
ارض پاک ، اے وطن

-----------۲------------

Virtual Home
for Real People

ارض پاک ،اے وطن
تیری خاک کیمیا تری گھٹائیں زر فشاں
تیرے سنگ و خشت بھی جواہرات سے گراں
زندگی ہیں قوم کی تری سنہری کھیتیاں
تو متاع جان وتن
ارض پاک ،اے وطن

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارض پاک ، اے وطن
علم و فن کا بوستاں،لطافتوں کی سر زمیں
دین حق کا پاسباں ،صداقتوں کا تو امیں
بے کسوں کے واسطے تو اک منارہ یقین
حریت ترا چلن
ارض پاک، اے وطن

..................۴..................

ارض پاک ،اے وطن
حفیظ امن کے لیے جوان سر بکف
غیر کی مجال کیا جو بڑھ سکے تیری طرف
آندھیوں کی راہ میں ہیں کوہسار صف بہ صف
تو شکست ہر امن
ارض پاک، اے وطن

# آنکھیں پُرنم

آنکھیں پرنم
آنچ ہے مدہم
زخمی تارے
آنکھ کا مرہم
غم کے بادل
چھم چھم چھم چھم

ننھا سا دل
دنیا کا غم

# ہار

کوئی پکارے
ہم ہیں تمہارے
ناؤ شکستہ
دور کنارے
گرتے آنسو
ٹوٹے تارے
باغ الاؤ
پھول شرارے
چاند کی کشتی
نیل کے دھارے
دل کی دھڑکن
شعر ہمارے
کوئی جیتا ؟

# مبارک وہ ساعت

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

میں بھٹکا ہوا مسافر
رہ و رسم منزل سے ناآشنائی پہ نازاں
تعاقب میں اپنی ہی پرچھائیوں کے رواں تھا
میرے جسم کا بوجھ دھرتی سنبھالے ہوئے تھی
مگر اس کی رعنائیوں سے مجھے کوئی دل بستگی ہی نہیں تھی
کبھی راہ چلتے ہوئے خاک کی روح پرور کشش
میں نے محسوس کی ہی نہیں تھی
میں آنکھوں سے بینا تھا لیکن
میرے چار سو چادریں آئینوں کی طرح تھیں
کہ جن کے لیے میرا پرتو ہی تھا اک زندہ حقیقت
کسی دوسرے کو گوارہ نہ تھی اس میں شرکت
میں کانوں سے بہرہ نہیں تھا
مگر جس طرح کہنہ گنبد میں چمگادڑوں کے بھٹکنے کی آواز گونجتی ہے
کھلے آسماں کے پرندوں کی چہکار اندر پہنچتی نہیں ہے
اسی طرح میرا بھی ذوقِ سماعت رسا تھا فقط اپنی ہی دھڑکنوں تک
بس اپنے لہو کی سبک آہٹوں تک
میں بھٹکا ہوا مسافر
میری راہ پر مٹ چکے تھے سفر کے اشارے سارے
فراموشیوں کی گھنی دھند میں کھو چکے تھے جہت کے نشانات سارے
رہ رو رسم منزل سے میں آشنا ہی نہیں تھا
کروڑوں میں ہمسفر تھے
مگر اکیلا
کروڑوں کی اس بھیڑ میں بھی اداس اور اکیلا
تعاقب میں اپنی ہی پرچھائیوں کے رواں تھا

میں شاید یونہی اپنی پرچھائیوں کے تعاقب میں حیراں پھرتا
اگر روشنی مجھ پہ چمکتی نہ ہوتی
مبارک وہ ساعت کہ جب موت اور تیرگی کے گھنے سائناں تلے
روشنی مجھ پہ چمکی
میرے دل پہ دھرتی نے اور اس کے ارفع مظاہر نے اپنی محبت رقم کی
مبارک وہ ساعت کہ جب برق کے کوڑے لہراتی
لوہے کی چیلوں سے اور
آتشیں تیز برساتے فولاد کے پر درندوں سے مڑھ بھیڑ میں
میں نے دیکھے
میرے ساتھیوں کے جگر میں ترازو ہیں جو تیر
ہوا ہو میں خود ان کا نخچیر
جو قطرہ لہو کا گرا ان کے تن سے
بہا ہے وہ میرے بدن سے
مبارک وہ ساعت کہ جب میں جانا
مری دھڑکنوں میں کروڑوں دلوں کی صدا ہے
میری روح میں مشترک گر چہ قالب جدا ہے

۱۹۶۳ء

# رات کے پچھلے پہر

شام ہی سے تھی فضا میں کسی جلتے ہوئے کپڑے کی بساند
اور ہوا چلتی تھی جیسے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

اس کے زخمی ہوں قدم
دیدہ مہر نے انجانے خطر سے مڑ کر
جاتے جاتے بڑی حسرت سے کئی بار زمیں دیکھا
لیکن اس سبز لکیر
اس درختوں کی ہری باڑ کے پار
کچھ نہ پایا کوئی شعلہ نہ شرار
اور پھر رات کے تنور سے ابلا پانی
تیرگیوں کا سیہ فوارہ
دیکھتے دیکھتے تصویر ہر اک چیز کی دھندلانے لگی
دور تک کالے سمندر کی ہمکتی لہریں
ہانپوں سینوں کی مانند کراں تا کراں پھیل گئی
اور جب رات پڑی
سسکیاں بن گئی جھونکوں کی صدا
دم بخور ہوگئے اس وقت در و بام
جیسے آہٹ کسی طوفان کی سنا چاہتے ہو
آنکھیں مل مل کے چراغوں کی لوؤں نے دیکھا
لیکن اس سبز لکیر
اس درختوں کی ہری باڑ کے پار
کچھ نہ پایا کوئی شعلہ نہ بہار
رات کے پچھلے پہر
ناگہاں نیند سے چونکی جو زمیں
اس کی ہونٹوں پہ تھی غم ناک کراہ،
کرب انگیز کراں
اس کے سینے پہ رواں
بوٹ لوہے کے گمگتے ہوئے بوٹ

جس طرح کانچ کی چادر پہ لڑھکتی ہوئی پتھر کی سیل
ہر قدم اک نئی چیخ جنم لیتی تھی
خاک سے داد ستم لیتی تھی

www.HallaGulla.com

# چونکتے سایوں کی آواز

حسرتو ؛ غم سے بے خبر گزرو
اس سمندر کی بے کرانی میں
موج درموج سیکڑوں گرداب
بنتے رہتے ہیں مٹتے رہتے ہیں
ایسے گرداب دیکھ کر جن کو
تیرگی اک نہنگ کی صورت
چار سونا چتی نظر آئے
اور ساحل کا راستہ نہ ملے

Virtual Home for Real People

# شہادت حق

وہمہ ہے کہ خدا ؟
ذہن الجھے تو الجھتا ہی چلا جاتا ہے
چاند خاموش ستارے چپ ہیں
دل جو دھڑکے تو دھڑکتا ہی چلا جاتا ہے

ہاں مگر واقعہ کرب وبلا
تیرے مظلوم سجیلے کردار
دجلہ خون میں نہائے ہوئے بے باک سوار
در احساس پہ دیتے ہیں صدا
ہم نے ڈھونڈا ہے اسے
پردہ سنگ نظر کے اس پار
ہم نے پایا ہے اسے
صفت رنگ کے پیراہن میں
اک حقیقت کی طرح جلوہ نما
برق اداقفس رنگ کے زندانی تجھے کیا معلوم
واہمے پر بھی کوئی جان دیا کرتا ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

# منظومات

## پیامِ اقبال

............ا...............

بانسری پر کوئی دھن چھیڑ کے کھو جا اس میں
مدھ بھری تان میں ہر گیت سناتا ہوا چل
راہ خشک فضاؤں میں ترنم گونجے
خواب آلود نظاروں کو جگاتا ہوا چل
بربطِ زیست پہ ہر گیت سناتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

...............۲..............

قافلے سے جو بچھڑ جائے مسافر کوئی
تیرے گیت اس کے لیے بانگ دار بن جائیں
جب کوئی راہ بھٹکنے لگے منزل کے قریب
تیرے قدموں کے نشاں راہ نما بن جائیں
نقش پا سے رہ منزل کو سجاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

.............۳................

آبشاروں کے ترنم ہی میں کھو جائے نہ تو
راہ کی مست بہاروں کی تمنا مت کر
جو کہ منزل کو بھلانے کی تجھے دعوت دیں
ایسے پرکار نظاروں کی تمنا مت کر
تشنگی صرف نگاہوں کی بجھاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے دور، بہت دور ابھی

............۴.................

اس قدر تیز نہ چل جلد ہی تھک جائے گا
تھک کے رک جانا تری شان کے شایاں بھی نہیں
پھر تو کچھ دیر کہیں بیٹھ کے ستائے گا
اور ستانا تری شان کے شایاں بھی نہیں
ایک رفتار سے قدموں کو بڑھاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

...............۵.................

منزلیں خود ترے قدموں کی تمنائی ہیں
جستجو میں ہیں تری خود ہی نشاں منزل
پست ہمت نہ بن امید سے مایوس نہ ہو
مل ہی جائیں گے کبھی خود ہی نشاں منزل
نا امیدی کی چٹانوں کو ہٹاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

............٦...............

دور تک نہ کوئی مسافر ہے نہ کوئی راہی
کس جگہ تیرے عزائم تجھے لے آئے ہیں
ہیں قدم تیرے ابھی زیرِ افق ہی شاید
کیسے بے رنگ دھند لگے یہاں چھائے ہیں
عزم راسخ کے چراغوں جلاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

...............٧................

تجھ کو آغوش میں لینے کو ہے بیتاب قمر
منتظر تیرے ابھی تک ہیں افق کے جادے
کون کہتا ہے کہ وہ تیری گزرگاہ نہیں
تیری منزل ہے ستاروں کے جہاں سے آگے
پر تو نور ہے تو عرش پہ چھاتا ہوا چل
تجھ کو جانا ہے بہت دور، بہت دور ابھی

دسمبر ۱۹۵۱ء

# دلاسے

یہ لرزتے ہوئے حسیں آنسو
میرے عزمِ سفر میں حائل ہیں
مجھ میں اب ضبطِ غم کی تاب نہیں
میرے قلب و جگر بھی گھائل نہیں

ہجر کو ہجر کیوں سمجھتی ہو
صرف احساس پر ہے غم کا مدار
میں نے دیکھا ہے حوصلوں کی طفیل
ہوگئے ہیں الم نشاط آثار

جب کوئی شے ہی پائیدار نہیں
دکھ کے لمحے بھی بیت جائیں گے
غم کا انجام مسکراہٹ ہے
پھر خوشی کے زمانے آئیں گے

لذتِ درد بڑھتی رہتی ہے
زخم ہر بار کھل کے سلنے میں
مستقل قرب میں وہ بات کہاں
جو مزا ہے بچھڑ کے ملنے میں

یوں نہ ضائع کرو خدا کے لیے
اپنے اشکوں کے سیم پاروں کو
ان کو صرف خوشی بھی ہونا ہے

پونچھ لو قیمتی ستاروں کی

تم سے ملنے کے واسطے ہر دم
اپنے دل میں خلش سی پاؤں گا
جانِ من اس قدر اداس نہ ہو
میں بہت جلد لوٹ آؤں گا
فروری ۱۹۵۲ء

## مُجرم

یہی رستہ مری منزل کی طرف جاتا ہے
جس کے فٹ پاتھ فقیروں سے اٹے رہتے ہیں
خستہ کپڑوں میں یہ لپٹے ہوئے مریل ڈھانچے
یہ بھکاری کہ جنہیں دیکھ کے گھن آتی ہے

ہڈیاں جسم کی نکلی ہوئی پچکے ہوئے گال
میلے سر میں جوئیں، اعضاء سے ٹپکتا ہوا کوڑھ

روح بیمار، بدن سست، نگاہیں پامال
ہاتھ پھیلائے پڑے رہتے ہیں روگی انسان

چند بیواؤں کے مدقوق سے پیلے چہرے
کچھ ہوس کار نگاروں میں اتر جاتے ہیں
جن کے افلاس زدہ، جسم ڈھلکتے سینے
چند سکوں کے عوض شب کو بکا کرتے ہیں

شدتِ فاقہ سے روتے ہوئے ننھے بچے
ایک روٹی کے نوالے سے بہل جاتے ہیں
یا سر ہی سوجاتے ہیں بھوکے پیاسے
ماں کی سوکھی ہوئی چھاتی کو دبا کر منہ میں

چند بے زیب سے شہرت زدہ انسان اکثر
اپنی دولت و سخاوت کی نمائش کے لیے
یا کبھی رحم کے جذبے سے حرارت پا کر
چار چھ پیسے انہیں بخش دیا کرتے ہیں

کیا فقط رحم کی حقدار ہیں ننگی روحیں؟
کیوں یہ انسانوں پہ انسان ترس کھاتے ہی
کیوں انہیں دیکھ کے احساس تہی دستی سے
اکثر اوقات میں کترا کے نکل جاتا ہوں؟
یہی رستہ منزل کی طرف جاتا ہے

مئی ۱۹۵۲ء

# جشنِ بہاراں

بساطِ رنگ بچھاؤ بہار آئی ہے
حریمِ وقت سجاؤ بہار آئی ہے

نظر کے ساتھ شفق رنگ مے کا دور چلے
فضا کو مست بناؤ بہار آئی ہے

فضا کی تشنہ لبی پر مٹھاس بکھرا دو
رسیلے گیت سناؤ بہار آئی ہے

کوئی خوشی کا فسانہ کوئی ہنسی کی بات
لبوں سے پھول گراؤ بہار آئی ہے

صبا کے ساتھ ملا ہے پیامِ بیداری
کلی کلی کو جگاؤ بہار آئی ہے

نگارِ باغ کی دوشیزگی نکھر جائے
کلی کو پھول بناؤ بہار آئی ہے

سحر کا رنگ ستاروں کا نور پگھلا کر
رخِ چمن پہ پھیلاؤ بہار آئی ہے

نئی دُھنیں ہوں نئے ساز ہوں نئی تانیں
پرانے گیت نہ گاؤ بہار آئی ہے

غمِ خزاں کا چمن میں کوئی نشاں نہ ملے
اک ایسا جشن مناؤ بہار آئی ہے

یہیں پہ جنتِ قلب و نظر کی ہو تشکیل
یہیں پہ خلد بساؤ بہار آئی ہے

دسمبر ۱۹۵۲ء

# اس نے کہا

بھرے جہاں میں پیار مجھ کو کہیں مل نہ سکا
وفا سی شے کا طلب گار مجھ کو مل نہ سکا

قدم قدم پہ بکی ہے مری متاعِ شباب
قدم قدم پہ متاعِ شباب بیچوں گی

گراں ہیں پہ زلفوں کے عنبریں سائے

یہ ریشمیں سے معطر سحاب بیچوں گی

لطافت لب و رخسار ہے مری دشمن
بہار غنچہ و فصل گلاب بیچوں گی

نہ راس آئی مجھے چاندنی وفاؤں کی
بطور خاص شب ماہتاب بیچوں گی

مرے جنوں نے بڑی تلخیاں خریدیں ہیں
نظر کے جام، لبوں کی شراب بیچوں گی

مرا غرور ہے آج انتقام آمادہ
بدن کا لوچ، نگاہوں کی آب بیچوں گی

قسم ہے مجھ کو تقدس مآب مریم کی
بڑے خلاص سے شرم و حجاب بیچوں گی

حیا نصیب شگوفوں کو لوٹنے والو
بہار زیست کا میں انتخاب بیچوں گی

کھنکتے سکوں نے جب تک تمہارا ساتھ دیا
میں اپنا حسن ،جوانی، شباب بیچوں گی

حیا فروش ہوں، جاؤ میں نیک نام نہیں
مری نظر میں تمہارا بھی کچھ مقام نہیں

دسمبر ۱۹۵۲ء

# نیا سویرا

جہاں نو کے خداؤ نئی کرن پھوٹی
پرانے دیپ بجھاؤ نئی کرن پھوٹی

ہوا میں رک نہ سکیں گی روایتی شمعیں
اب آفتاب جلاؤ نئی کرن پھوٹی

وہ پوپھٹی وہ اجالے کے نرم تیر چلے
وہ شب میں پڑ گئے گھاؤ نئی کرن پھوٹی

سیاہیوں کا کفن چاک ہوگیا دیکھو
طلوع صبح مناؤ نئی کرن پھوٹی

شفق کے کھیت میں وہ روشنی کے پھول کھلے
خزاں کو آگ لگاؤ نئی کرن پھوٹی

افق پہ چھا گئے زرکارع سیم گوں ڈورے
دلوں کے چاک ملاؤ نئی کرن پھوٹی

شفق بدوش رو پہلی سحر کی خوش رنگی
نظر نظر میں رچاؤ نئی کرن پھوٹی

پگھل رہا ہے دھواں دھار سطوتوں کا غرور
دہک اٹھا ہے الاؤ نئی کرن پھوٹی

شکار ہو نہ سکے گی جنوں کی زرتابی
خرد کے جال بچھاؤ نئی کرن پھوٹی

مرا پسینہ جبیں سحر کا جھومر ہے
مرا لہو نہ بہاؤ نئی کرن پھوٹی

جہاں سے حرص و ہوس کا غبار چھٹ جائے
وفا کی دھوم مچاؤ نئی کرن پھوٹی

عُیوب پوش سیاہی کے سودخوروں میں
متاعِ علم لٹاؤ نئی کرن پھوٹی

ہر اک فرد ہر انساں کا احترام کرے
اک ایسی ریت بناؤ نئی کرن پھوٹی

نئی حیات جنم دن منا رہی ہیں آج
نئے اصول بناؤ نئی کرن پھوٹی

مارچ ۱۹۵۳ء

http://www.hallagulla.com/urdu/

# ہلالِ عید

یہ ہلالِ عید ہے قوسِ افق پر ضو فگن
نیلگوں خیمے میں یا بیٹھی ہے کوئی سیم تن

پر تکلف موڑ ہو جس طرح جوئے شیر میں
یا ذرا خم آ گیا ہو شاہدِ تنویر میں

مانگ ہو افشاں کی جیسے سنگِ مرمر کی کماں
جیسے انگشتِ سلیماں پر انگوٹھی کا نشاں

جس طرح برّاق خنجر جیسے چاندنی کی کٹار
یا کسی معصوم دوشیزہ کے سینے کا ابھار

اس قدر نازک ادا جیسے کلائی حور کی
اس قدر شفاف جیسے قاش ہو بلور کی

نورِ پیغامِ مسرت پر کرن سے ضو فشاں
مطلعِ انوارِ عشرت ہیں زمین و آسماں

جس کو دیکھو آج اسی کو اشتیاقِ دید ہے
کوئی البیلی دلہن ہے یا ہلالِ عید ہے

مئی ۱۹۵۳ء

# زنجیریں

دم بخور شگوفے تھے مہک سے محروم
نکہت گل کی پھواروں پہ کڑے پہرے تھے
چمپئی بیل کی سیال نمو پر قدغن
سرو سوسن کی قطاروں پہ کڑے پہرے تھے
غم کی تاریک لبادوں میں سمن زار اسیر
تیرگی پوش چناروں پہ کڑے پہرے تھے
گیت محبوس عنادل کے لبوں پر تالے
اس گھڑی زمزمہ کاروں پہ کڑے پہرے تھے

پھر ہوا شور کہ وہ طوق و سلاسل ٹوٹے
تیرا و تار دریچوں سے اجالے پھوٹے
اک مسرت کی کرن تیر گئی گلشن میں
اب شعاع گل و انجم پہ کوئی قید نہیں
لالہ وقت کے ہونٹوں پہ ستارے ابھرے
پھول سمجھے کہ تبسم پہ کوئی قید نہیں
بند کلیوں کی چٹکنے کی کھنک لہرائی
جس طرح اذن تکلم پہ کوئی قید نہیں
گھنگرو باندھ کے پاؤں میں صبا اٹھلائی

جس طرح رقص و ترنم پہ کوئی قید نہیں

لیکن افسوس کہ زنجیر صدا دیتی ہے
ہر ابھرتی ہوئی آواز دبا دیتی ہے

جون ۱۹۵۳ء

# کھنڈر

باد خزاں سے گلشن ہستی ہے ہم کنار
ویرانوں کا رقص ہے اب ڈھل چکی نہار

کلیاں جھلس چکی ہیں،خزاں کا نزول ہے
پر ہو خامشی ہے،بگولے ہیں،دھول ہے

وہ کنج روی ہے اور نہ اب وہ غرور وناز
گنبد زمیں پہ بیٹھ گئے ہیں بصد نیاز

ابرو میں وہ تناؤ نہ آنکھوں میں کوئی رس
محراب ہے نہ طاق نہ سینے پہ وہ گلس

نقش و نگار مسخ تو چہرے پر جھریاں
ہل کی انی سے پڑگئیں کھیتوں میں دھاریان

ہے یہ بدن پہ کھال کا سمٹا ہوا غلاف
ڈالے ہیں زلزلے نے عمارت میں شگاف

نیلی رگوں کے جسم پہ بکھرے ہیں جال سے
جیسے کہ رینگتے ہوئے کیڑوں کے سلسلے

ہر دم کمال ضعف سے یوں کانپتا ہے سر
جیسے لرز رہا ہو سفینہ بہاؤ پر

خشکی جمی ہوئی لب سادہ پہ اس طرح
روغن اتر رہا ہو دریچے کا جس طرح

آنکھوں کی پتلیوں پہ پپوٹوں کے سائباں
جیسے کسی مکان کی در بستہ کھڑکیاں

بینائی پر ہے دھند کا پردہ پڑا ہوا
جیسے کہ روزنوں پہ ہو جالا تنا ہوا

بکھرے ہوئے یہ بال، یہ الجھیں ہوئی لٹیں
جیسے کسی درخت کی سوکھی ہوئی جڑیں

ماتھا ہے ملگجی سا کہ پگھلا ہوا ہے رنگ
ٹوٹی ہوئی کڑی ہے کوئی یا شکستہ مانگ

سبزہ ہے رخ پہ یا کہ ہے کانٹوں کی کوئی باڑ
بازو ہیں نیم وا کہ ہیں اترے ہوئے کواڑ

اعصاب مردہ جسم کا ہر حصہ بے سکت
آغوش جس طرح کوئی بیٹھی ہوئی سی چھت

یوں ضعف سے درازیِ قامت ہے سرنگوں
بارہ دری کا جیسے خمیدہ سا اک ستوں

پشت آبلہ نما تو کمر نصف دائرہ
مینار گویا اپنے ہی قدموں پہ آگرا

سینے پہ زندگی کہ شکستہ سے نام و در
ڈھانچا ہے ہڈیوں کا کہ اجڑا ہوا نگر

کیا کیا نہ ظلم و جور حسیں جسم پر ہوئے
اف وہ محل، جو وقت سے پہلے کھنڈر ہوئے

جولائی ۱۹۵۳ء

# آفتاب ہو تم

سحر کدے کا تقدس قمر کی آب ہو تم
ہجوم نور ہو، شعلہ ہو، آفتاب ہو تم

یہ روشنی کا تموج، یہ شوخیوں کے سرار
نگار برق ہے رقصاں کہ بے نقاب ہو تم

ہے گوشہ گوشہ منور تو کنج کنج نکھار
دیار حسن ہو تم وادی شباب ہو تم

صبا کا لوچ گلوں کی پھبن خمیر میں ہے
چمن کی روح بہاروں کا انتخاب ہو تم

نظر کہ جام صبوحی، چلن کہ مستی رقص
حریم بادہ ہو تم، پیکر شراب ہو تم

نفس نفس میں ترنم کی جوت جاری ہے
غزل کا شعر ہو تم نغمہ و رباب ہو تم

یہ نغمگی، یہ بہاریں، یہ رنگ و نور یہ روپ
خدائے حسن کی تصویر کامیاب ہو تم

نہیں نہیں کہ حقیقت گراں بھی ہوتی ہے
سحر شکار امنگوں کا کوئی خواب ہو تم

اگست ۱۹۵۳ء

# خانہ بدوش

یہ جنگل کے آہو یہ صحرا کے راہی
تصنع کے باغی دلوں کے سپاہی
فقیری لبادہ تو انداز شاہی
یہ اکھڑ، یہ انمول، بانکے سجیلے
یہ خانہ بدوش کے چنچل قبیلے

مصائب سے کھیلے حوادث کے پالے
ہیں روشن جبیں گو ہیں پاؤں میں چھالے
یہ پیتے ہیں ہنس ہنس کے تلخی کے پیالے
کہ جیسے کوئی مدھ بھرا جام پی لے
یہ خانہ بدوشوں کے چنچل قبیلے

طلب آشیاں کی نہ فکر قفس ہے
نہ دولت کی پروا، نہ زر کی ہوس ہے
زباں میں کھلاوٹ نگاہوں میں رس ہے
ہیں جینے کے انداز میٹھے رسیلے
یہ خانہ بدوشوں کے چنچل قبیلے

زمانے کو چھوڑا صداقت نہ کھوئی
محبت ہی کاٹی محبت ہی بوئی

نہ حاکم ہے کوئی نہ محکوم کوئی
اصولوں کے بندھن مگر ڈھیلے ڈھیلے
یہ خانہ بدوشوں کے چنچل قبیلے

ہر اک اپنی اپنی جگہ پر مگن ہے
نہ دیوار زنداں نہ حد چمن ہے
یہاں بھی وطن ہے وہاں بھی وطن ہے
کوئی ان سے تعلیم آوارگی لے
یہ خانہ بدوشوں کے چنچل قبیلے

اکتوبر ۱۹۵۳ء

# عظمت آدم

آغوش میں ماہ پارے پالے ہم نے
گھر گھر میں نئے دیپ اجالے ہم نے

تاریک خرابوں کو نیا نور دیا
ظلمات سے آفتاب ڈھالے ہم نے

جب جوش میں خوابیدہ امنگ آتی ہے
تیزابی خرشید کو شرماتی ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

بپھری ہوئی نظروں کی تمازت کی قسم
پتھر کی چٹان موم ہوجاتی ہے

فانوس کی لو میں جھلملاتے ہیں کبھی
تاروں کی جبیں کو جگمگاتے ہیں کبھی

آنکھوں میں نور بن کے رہتے ہیں ہم
سورج کی کرن میں مسکراتے ہیں کبھی

ہر رنج کو ہنس کے ٹال جاتے ہیں ہم
ناکامیوں پر بھی مسکراتے ہیں ہم

اللہ کی قدرت کے تو قائل ہیں مگر
اپنی تقدیر خود بناتے ہیں ہم

نظروں میں نیا زمانہ ڈھلتا ہے حضور
آغوش میں انقلاب پلتا ہے حضور

حالات کے سانچے مجھے کیا بدلیں گے
ماحول مرے جلو میں چلتا ہے حضور

مئی ۱۹۵۴ء

http://www.hallagulla.com/urdu/

# سلام

دلوں میں درد سا، اٹھا، لیا جو نام حسین
مثالِ برق تڑپنے لگے غلام حسین

لبِ فرات جو پیاسے رہے امام حسین
خدا نے بھر دیا آبِ بقا سے جام حسین

رضا و صبر میں ان کا جواب کیا ہوگا
کہ جب بھی تیر لگا، ہنس دیے امام حسین

غرورِ تیرگیِ شب کو توڑنے کے لیے
تمام رات دہکتے رہے خیام حسین

فنا کا ہاتھ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا
ابد کی لوح پہ کندہ رہے گا نام حسین

کسی شہید کا خوں رائیگاں نہیں جاتا
جہانِ نو کے یزیدو سنو پیام حسین

اگست ۱۹۵۵ء

## جوالامکھی

کروٹیں خود بھی بدلتا ہے جہاں کا محور
جب زمیں گردش ایام سے تھک جاتی ہیں

جسم چھیل جاتا ہے دھرتی کا رگڑ کھا کھا کر
لاکھ سنگین سہی جلد مسک جاتی ہے

..............................

سنگ اندام شگافوں سے دھواں رستا ہے
بطن گیتی سے بخارات ابل پڑتے ہیں

ملگجی دھند سی آفاق پہ چھا جاتی ہے
تیرا انداز گھٹاؤں سے شرر جھڑتے ہیں

..............................

ایک بجلی سی تڑپتی ہے زمیں کے اندر
چادر خاک بھر سمت سمٹ جاتی ہے

شعلے اٹھنے کے لیے راہ بنا لیتے ہیں
کوہساروں کے چٹخنے کی صدا آتی ہے

..............................

زلزلوں کی وہ گراں بار بھیانک ضربیں
گنبد عرش کی بنیاد ہلا دیتی ہیں

پنجہ قہر کی مضبوط کمندیں اکثر
ایک جھٹکے سے پہاڑوں کو گرالیتی ہیں

.............................

کچی دھاتوں کے جراثیم لیے دامن میں
آتشیں لادے کا سیلاب امنڈ آتا ہے

پھیل جاتے ہیں بہر سمت رقیق انگارے
کرہ ارض حرارت سے پگھل جاتا ہے

.................................

خوں اگلتی ہیں فضائیں تو زمیں روتی ہے
آہ مظلوم میں تاثیر یہی ہوتی ہے
اگست ۱۹۵۵ء

# انتظار بہار

کہاں سے آئی کدھر کو گئی نگار بہار
کہ گلستاں میں ابھی تک ہے انتظار بہار

شگوفہ زار ہی مہکے نہ کونپلیں پھوٹیں
چمن میں پھر بھی منائی ہے یادگار بہار

یہی ہے قافلہ رنگ و بو کا حسن خرام

کہ چھپ گئی ہے بگولوں میں رہ گزار بہار

نہ چہچے نہ ترنم نہ زمزمے نہ سرور
یہ بات کیا ہے کہ گم صم ہیں نغمہ کار بہار

کسی روش میں کوئی پھول کھل گیا تا کیا
قفس سے دشت و جبل تک ہو رہ گزر بہار

خزاں کی رات کٹھن ہے تو جاگ کر کاٹو
کہ زیر دار ہی سوتے ہیں جاں نثار بہار

اگست ۱۹۵۵ء

## طلوع سحر

فروغ سنبل و ریحاں کا وقت آ پہنچا
اٹھو کہ جشن بہاراں کا وقت آ پہنچا

پگھل رہے ہیں گراں بار شب کدوں کے ستون
طلوع مہر درخشاں کا وقت آ پہنچا

کوئی حسین سی تعبیر ڈھونڈ کر لاؤ
شکستِ خوابِ پریشاں کا وقت آپہنچا

شبِ فراق کٹھن تھی مگر تمام ہوئی
وصالِ مہر جبیناں وقت آپہنچا

چلو چلو کہ بگولوں کا رقص ختم ہوا
طوافِ کوچۂ جاناں کا وقت آپہنچا

دلوں کے داغ چھپاؤ، ہنسی کو عام کرو
شکستِ کلفتِ دوراں کا وقت آپہنچا

مرے رفیقو ہنسو اور خوب کھل کے ہنسو
نمائشِ لب و دنداں کا وقت آپہنچا

صنم کدوں کے در و بام سر بہ سجدہ ہیں
عروجِ حضرتِ انساں کا وقت آپہنچا

نشانِ عظمتِ جمہور پھر بلند کرو
زوالِ سطوتِ شاہاں کا وقت آپہنچا

مارچ ۱۹۵۶ء

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

# شعورآزادی

بہشت شوق میں ڈھالیں گے خاکدان وطن
تلاش حسن میں گرداں ہیں عاشقان وطن

دھواں دھواں ہی سہی کوشہ بتان وطن
جبیں کے پاس تو ہے سنگ آستان وطن

عیاں ہیں خون شہیداں کی عظمتوں کے نقوش
زبان لالہ و گل پر ہے داستان وطن

نسیم صبح کے جھونکے ذرا سہارا دے
ابھر رہے ہیں اندھیروں سے خستگان وطن

وہ منتہی نہ سہی کوئی سنگ میل سہی
کسی مقام پہ پہنچا تو کاروان وطن

ہر ایک کنج یہاں قابل نظارہ ہے
بس ایک گوشے پہ کیوں کیجئے گمان وطن

ہجوم تشنہ لباں دیکھتا ہے حسرت سے
غریق بادہ و ساغر ہیں خواجگان وطن

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

ہوا چلے تو فضائیں دہکنے لگتی ہیں
تہی نہیں ہے شراروں سے خاکدانِ وطن

اسے جسارتِ بیجا نہیں تو کیا کہیے
جنوں سے آنکھ ملاتے ہیں خسرانِ وطن

صدا دبی نہ رہے گی ضمیر کی آواز
یہ ایک مات بھی کھائیں گے شاطرانِ وطن

ابھی تو اور بڑھے گا شعورِ آزادی
ابھی تو خواب سے چونکے ہیں ساکنانِ وطن

اگست ۱۹۵۶ء

# موجِ خرامِ عید

عید آئی تو یاد آنے لگے

دور کے چاند، روشنی کے داغ
پیار کے پھول، دوستی کے داغ
ہجر کے گیت، خامشی کے داغ

نت نئے زخم مسکرانے لگے

زخم ناداری گلستاں کے
زخم پرکاری نگہباں کے
زخم غمخواری بیاباں کے

سینکڑوں تیر اک رگ جاں ہے
عید بھی کیا بہار ساماں ہے
اپریل ۱۹۵۸ء

## عید

اونچے محلوں میں پائل چھنکاتی ہے عید
میری گلی میں آتے ہوئے شرماتی ہے عید

پاس آئی تو جیسے مٹی بن جائے گی
دور ہی دور سے اپنی چھب دکھلاتی ہے عید

جلتے زخموں میں اور آگ سی بھر دیتی ہے
دکھی دلوں کو اور دکھی کر جاتی ہے

تن پر اجلے کپڑے اور نہ جھولی میں لعل
ہم کنگالوں سے کیا لینے آتی ہے عید

زریں کنگن کیسے پہنائیں خوشیوں کو
من کو نت نئی سوچوں میں الجھاتی ہے عید

اپریل ۱۹۵۸ء

# اے سرزمیں الجزائر

چپے چپے سے ابلتے ہوئے خوں کے چشمے
تیری مظلومی بے حد کا پتہ دیتے ہیں

کتنے جابر ہیں نئے دور کے سلطاں زادے
تیری معصوم امنگوں کو سزا دیتے ہیں

جب بھی جو لانیاں کرتا ہے ترا عزم جمیل
تیرے گرد اک نئی دیوار اٹھا دیتے ہیں

آگ محرومی کی روشن ہے جو تیرے دل میں
اپنے دامن سے اسے اور ہوا دیتے ہیں

اس سے پہلے بھی یونہی جھلسے گئے دیدہ ودل
جسم روندے گئے تپتے ہوئے صحراؤں میں

تشنگی کاسہ بدست آئی تو شبنم نہ ملی
زہر گھولا گیا بہتے ہوئے دریاؤں میں

گرمی شوق نے جب انجمن آرائی کی
فصد کھولی گئی تیروں کی گھنی چھاؤں میں

خونچکاں لاشوں پہ تعمیر ہوئے راج محل
روز اول سے یہی رسم ہے آقاؤں میں

خسرو جم نے تشدد کا سہارا ڈھونڈا
ورنہ ابسان تھے وہ کیسے خدائی کرتے؟

ان کی لغزش بھی سر راہ اچھالی جاتی
لوگ ہر گام پہ انگشت نمائی کرتے

دانے دانے پہ تھی محنت کش و جمہور کی مہر

اپنی نسلوں کے لیے خاک کمائی کرتے

یہ ہے وہ موڑ مگر رہ گزر ہستی کا
کہ بہکتے ہوئے قدموں کو سنبھلنا ہوگا

ملک گیری کا تصور ہے لہو میں غلطاں
مسکراتی ہوئی اقداد پہ چلنا ہوگا

امن عالم خس و خاشاک کا خرمن ہی تو ہے
سر اٹھاتے ہوئے شعلے کو کچلنا ہوگا

کوئی ذرہ ہو کہ صحرا، پتھر کے پہاڑ
تودہ برف کی مانند پگھلنا ہوگا
مئی ۱۹۵۸ء

# غمِ کوہکن

چار سو آگ تھی نفرت کی لگائی ہوئی آگ
ہاں وہ آتش کدا غیر سے لائی ہوئی آگ

جس نے کعبوں کو، کشتیوں کو بھسم کر ڈالا
جسم اور روح کے رشتے کو بھسم کر ڈالا

میں نے اس آگ کو گلزار بنانے کے لیے
دامنِ گل کو شراروں سے بچانے کے لیے

دیدہ شوق میں اشکوں کے سمندر پالے
قلبِ نادار میں داغوں کے نگینے ڈھالے

نہ ہوئے پر نہ ہوئے سرد جہنم کے شرار
مسکراتے رہے ذہنوں میں دھویں کے مینار

درمیاں دل و جاں آگ کی دیوار رہی
زندگی کس کے لیے برسرِ پیکار رہی؟°

# فریادی

کوئی نہیں ہے جو بجھتی آنکھوں میں زندگی کے دیے جلادے
کوئی نہیں ہے جو دل کے دریا میں حسرتوں کے کنول کھلادے

لبوں کی پگڈنڈیوں پہ آہوں کے گرم رو قافلے رواں ہیں
کٹیلی آنکھیں لہو لہو ہیں ہلالی ابرو دھواں دھواں ہیں
نظر پہ پت جھڑ کی زردیوں کے مہیب سائے بہت گراں ہیں
چمکتے تاروں کی آب جو میں ڈھلے ہوئے ایساں کہاں ہیں

نکیلی پلکوں کی سولیوں پر حنائی اشکوں کے سرد لاشے
نہ جانے کب سے ٹنگے ہوئے ہیں نہ جانے کب تک ٹنگے رہیں گے

سمے کے جنگل میں شب کی باگن لپکتی پھرتی ہے پھن اٹھائے
سلگتے داغوں کی روشنی کو کہیں یہ ڈس کر چلی نہ جائے
قدم قدم پر ستارے ٹوٹیں رَوش رَوش پر ہوا ڈرائے
اجاڑ راہوں میں دل کی دھڑکن کسے پکارے کسے بلائے

کوئی نہیں ہے جو بجھتی آنکھوں میں زندگی کے دیے جلائے
کوئی نہیں ہے جو دل کے دریا میں حسرتوں کے کنول کھلادے

# بیادِ قائدِ اعظم

کفِ صبا پہ مہکتا ہوا گلاب تھا وہ
روش روش تری خوشبو سے مشکبار ہوئی
کرن کرن رتے پر تو سے تابدار ہوئی
کفِ صبا پہ مہکتا ہوا گلاب تھا وہ

نگارِ موسمِ گل کی جبیں کا داغ ہیں ہم
ہمیں سے لالہ و گل کی قبا رفو نہ ہوئی

ہمیں سے زحمتِ تائیدِ رنگ و بو نہ ہوئی
نگارِ موسمِ گل کی جبیں کے داغ ہیں ہم

مہ و نجوم کے جھرنوں پہ نوحہ خواں ہوتے
تجھے جو خضر سمجھتے تو ہم یہاں ہوتے؟

# سراب

مدتوں کنجِ قفس میں ہم نے
آشیانے کے لیے خواب بنے
چاندنی رات کی مہکاروں میں
گنگناتے کے لیے خواب بنے
اپنے تاریک شبستانوں کو
جگمگانے کے لیے خواب بنے

................٢................

بزمِ ہستی میں اندھیرا ہی رہا
ماہ پاروں کا فسوں ٹوٹ گیا
جن سے غنچوں نے ہنسی مانگی تھی
ان بہاروں کا فسوں ٹوٹ گیا
یا تو گرداب سے ابھرے ہی نہ تھے
یا کناروں کا فسوں ٹوٹ گیا

http://www.hallagulla.com/urdu/

.................۳................

تند موجوں سے اماں مل نہ سکی
تیز دھاروں میں بھٹکتے ہی رہے
سایہ گل کے طلبگار تھے ہم
خارزاروں میں بھٹکتے ہی رہے
رہنماؤں کا کرم کیا کہیے
رہ گزاروں میں بھٹکتے ہی رہے

...............۴.................

تلخی زیست وہی ہے اب تک
وہی غم ہیں، وہی تنہائی ہے
جب بھی فنکار نے لب کھولے ہیں
اک زنجیر سی لہرائی ہے
صبح آزادی گلشن تو نہیں
شب غم بھیس بدل آئی ہے

# الجیریا کے نام

کاکل تیرے زرکار تھے
عارض شگوفہ زار تھے

ابرو اپنی تلراو تھے

اے خستہ تیغ جفا
الجیریا ............... الجیریا

پاؤں میں تیرے بیڑیاں
چہرے پہ زخموں کے نشاں
دل میں گڑی ہیں سولیاں

اب ہے سماں ہی دوسرا
الجیریا ..................... الجیریا

تشنہ وہاں تیرے سبو
ارزاں ہے جنس آبرو
مقتل سجے ہیں چار سو

ہر اک ستم تجھ پر روا
الجیریا .................. الجیریا

بکھرا ہوا ہے سیل خوں
صحرا بہ صحرا لالہ گوں
لرزاں ہے کوہ بے ستوں

بند
الجیریا ..................... الجیریا

http://www.hallagulla.com/urdu/

پچھلا پہر ہے رات کا
ٹوٹیں گے تارے جا بجا
جلتی رہے شمع وفا

چمکے گا سورج دیکھنا
الجیریا .................. الجیریا

## غازی کا ترانہ

میں غازی ہوں مجھے عزم و یقیں کا شہر کہتے ہیں
مرے ہر وار کو دشمن خدا کا قہر کہتے ہیں
مجھے شعلوں کا دریا، بجلیوں کی بہر کہتے ہیں

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

عقابی ہیں مری آنکھیں چمک جن میں شراروں کی
مرے ہی نازوؤں میں ہے صلابت کوہساروں کی
مری ہیبت سے لوزاں ہیں فضائیں کازاروں کی

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

میری تکبیر کے آگے بموں کی گھن گرج کیا ہے
وہ ٹینکوں کی قطاریں لے کے آجائیں حرج کیا ہے
میں ہوں خیبر شکن میرے لیے دیوار کج کیا ہے

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

پسینہ جس جگہ میرا گرے بارود بجھ جائے
اگر چاہوں قمر کی مزعل بے دور بجھ جائے
بدن کی خاک جھاڑوں آتش نمرود بجھ جائے

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

ستون آہنے ہو کر ہوا کی چال رکھتا ہاں
رگ و پے میں رواں اک شعلہ سیال رکھتا ہوں
فرشتوں کی کمک اور آسماں کی ڈھال رکھتا ہوں

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

میں اعداء کو فنا کر کے ہی اب شمشیر ڈالوں گا
اگر بھاگے گا دشمن پاؤں میں زنجیر ڈالوں گا
میں پربت کاٹ ڈالوں گا سمندر چیر ڈالوں گا

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

شہادت زندگی کا میری اصل مدعا ٹھری
مرے مقصد کی سچائی مری وجہہ بقا ٹھری
متاع خلد میری جانثاری کا صلہ ٹھری

سدا بڑھتا ہوں آگے پیٹھ دکھلانا نہیں آتا
میں غازی ہوں قضا سے مجھ کو گھبرانا نہیں آتا

# شعلہ دل

کبھی کبھی تو سر راہ دیکھ کر ہم کو
تمہارے سر سے بھی آنچل سرک ہی جاتا ہے
تمہاری عنبریں زلفوں کی تیز لپٹوں سے
ہمارا سہنہ ویراں مہک ہی جاتا ہے

کوئی تو بات ہے جو ہم کو ملتفت پا کر
بصد غرور کبھی مسکرا بھی دیتی ہو
ادائے خاص سے لہرا کے رقص فرما کے
ہمارے شعلۂ دل کو ہوا بھی دیتی ہو

کبھی بہ پاسِ تقدس ہماری نظروں سے
الجھ کے ٹوٹ گئی ہے تمہاری انگڑائی
قسم خدا کی بتاؤ بوقتِ آرائش
حضورِ آئینہ تم کو حیا نہیں آئی

ہماری شورشِ جذبات کے تخاطب پر
تمہارے ہونٹ یقیناً پھڑکنے لگتے ہیں

وفورِ شوق کی رم جھم سے شوخ سینے میں
کبھی کبھی تو کئی دل دھڑکنے لگتے ہیں

اب اپنے نیم تغافل سے باز آجاؤ
تمہیں غرور ہی لازم ہے سرکشی تو نہیں
ہمارے ذوقِ طلب کے جواب میں حائل
ذرا سی شرم و حیا ہے ستم گری تو نہیں

نظر ملا کے محبت کا اعتراف کرو
جو کر سکو تو حقیقت سے انحراف کرو

# شہید اعظم

نہ زلزلوں سے ہراساں نہ آندھیوں سے ملول
مثال کوہ تھے دشت بلا میں سبط رسول
وہ زخم پائے مبارک وہ برچھیاں، وہ ببول
وہ العطش کی صدائیں وہ تپتی ریت وہ دھول
شہید خاک پہ تڑپیں ردائیں چھن جائیں
یہ امتحاں بھی گوارا وہ امتحاں بھی قبول

زمیں کوب و بلا تجھ کو یاد تو ہو گئی
لہو میں ڈوب کے نکھری تھی داستان حسین
ہزار ظلم و تشدد کی آندھیاں آئیں
کسی طرح نہ مٹا دہر سے نشان حسین
لبوں پہ کلمہ حق ہے دلوں میں ذوق جہاد
جہاں میں آج بھی رہتے ہیں ترجمان حسین

اگر حسین نہ دیتے سراغ منزل حق
زمانہ کفر کی وادی میں سو گیا ہوتا
جہاں پہ چھا گئے ہوتے فنا کے سناٹے
شعور زیست اندھیروں میں کھو گیا ہوتا

# ت

بہاروں کی ملکہ یہ بھوروں کی رانی
گلابی ادائیں شگفتہ جوانی
کوئی سن لے امرت نگر کی کہانی

یہ پیاسی امنگیں یہ نیناں رسیلے
مدھرتا کے رسیا مدھرتا کو پی لے

یہ گلرنگ مکھڑا کہ چندا لجائے
شگوفوں کو ڈھانکے بھپن کو چھپائے
کوئی مجھ کو دیکھے مرے گیت آئے

یہ پیاسی امنگیں یہ نیناں رسیلے
مدھرتا کے رسیا مدھرتا کو پی لے

یہ پھولوں کی مالا، یہ بانہوں کے جھولے
یہ رنگین کونپل شفق جیسے پھولے
کوئی ان میں مچلے کوئی ان کو چھولے

یہ پیاسی امنگیں یہ نیناں وسیلے
مدھرتا کے رسیا مدھرتا کو پی لے

امنگوں پہ غالب ہے صیاد کا ڈر
مگر گنگناتا ہے پیروں کا زیور

کوئی دل میں آئے زمانے سے چھپ کر

یہ پیاسی امنگیں یہ نیناں کے رسیلے
مدھرتا کے رسیا مدھرتا کو پی لے

www.HallaGulla.com

# عید وطن

اس طوراب کے گزری ہے اہل چمن کی عید
جیسے وطن سے دور غریب الوطن کی عید

دست جمیل رنگ حنا کو ترس گئے
بوئے سمن کو ڈھونڈتی ہے پیر ہن کی عید

عارض ہیں زخم زخم تو آنکھیں لہو لہو
دیکھی نہ ہوگی دوستو اس بانکپن کی عید

Virtual Home for Real People

گل رنگ قہقوں کی فصیلوں سے دور دور
نالہ بلب گزر گئی غنچہ دہن کی وید

اے ساکنان دشت جنوں کس نشے میں ہو
شعلوں کی دسترس میں ہے سرو سمن کی عید

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

# قطعات

# ۱۹۵۰ ۔ ۵۳ء

www.HallaGulla.com

## تعارف

Virtual Home for Real People

جگر میں سوزِ جہاں لب پہ مسکراہٹ ہے
شکیب کہتے ہیں مجھ کو وفا نصیب ہوں میں
غرورِ حسن مجھے اجنبی سمجھتا ہے
وگرنہ آج بھی اس کے بہت قریب ہوں میں

☆

چاندنی راتیں مجھے کرتی ہیں تلقین گناہ
حسن خود ہے ایک سنگم کفر اور ایمان کا
نیچی نظروں کے پیام اُٹھتی جوانی اے شکیب
پھر بتاؤ کیوں نہ بہک جائے دل انسان کا

☆

جانے کیوں ان کے سبز آنچل پر
یوں ٹپکتے تھے نرگس پارے
جس طرح رات کی سیاہی میں
عرش سے ٹوٹتے ہوئے تارے

☆

مسکراہٹ لبوں پہ پھیکی سی
کیسی تقدیر سو گئی اپنی
یہ تو اللہ جانتا ہے شکیب
جیسی کچھ عید ہوگئی اپنی

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

ہراساں ہے تیز آندھیوں کے تھپیڑے
کہ روشن ابھی تک ہے شمعِ محبت
ادھر وہ خفا ہیں ادھر ہم خفا ہیں
مگر رشتہ دوستی ہے سلامت

☆

زندگی کے گھنے اندھیرے میں
ایک ہی پر ضیاء ستارہ ہے
میرے پاس اپنی یاد رہنے دو
یہ مری زیست کا سہارا ہے

☆

اہلِ غربت کی چاندنی راتیں
کس قدر درد خیز ہوتی ہیں
رشتہ یاد میں اداس آنکھیں
آنسو کے گہر پروتی ہیں

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

دل میں ہے خواہشوں کے ہجوم
جراتوں پر سکوت چھایا ہے
بات کوئی کہی نہیں بنتی
تم کو اک بار کھو کے پایا

☆

عہد و پیمان عشق و الفت کے
کب کوئی عمر بھر نبھاتا ہے
یاد کرتا ہے بھول کر کوئی
جان کر کوئی بھول جاتا ہے

☆

یاسیت کی مہیب راتوں میں
یوں چراغ امید ہے روشن
جیسے زنداں کے روزنوں سے شکیب
چھن کے آتی ہے روشنی کی کرن

☆

میری نادان آرزوؤں نے
کچھ سنہرے محل بنائے تھے
اس جگہ تیرگی مسلط ہے
کل جہاں چاندنی کے سائے تھے

☆

اس قدر بغض کیوں ہے آپس میں
اے وفا و خلوص کے بندو
خود غرض کون ہے زمانے میں
میں بھی مخلص ہوں تم بھی مخلص ہو

☆

ہے ابھی تو خلوص دنیا میں
کس لیے ہو رہا ہے تو مایوس
شمع ایثار پہلے روشن کر
پھر جلیں گے خلوص کے فانوس

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

آدمی میں اگر خلوص نہ ہو
تو وہ انسان ہی نہ کہلائے
گر محبت نہ ہو زمانے میں
تو یہ سب کائنات مٹ جائے

☆

کیسے مخلص انہیں سمجھ لوں میں
دوستوں سے جنہیں شکایت ہے
وقت بے وقت شکوہ احباب
سوچیے کیا یہی محبت ہے

☆

اتنی بے لوث تو نہیں دنیا
دوست جتنی کہ آپ سمجھے ہیں
ہم پہ احسان کر کے اہل جہاں
اکتساب نشاط کرتے ہیں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

دوستی کے لطیف پردے میں
ہو رہے ہیں فریب کے دھندے
ایک ہم مخلص زمانہ ہے
ایک تم ہو خلوص کے بندے

☆

شب تاریک بیت جائے گی
شمع احساں جلا رہے ہو کیوں
اتنے اخلاص سے تم لوگ مجھے
اپنا دشمن بنا رہے ہو کیوں

☆

ایک غیرت شعار مفلس پر
میں نے جب لطف کی نظر ڈالی
اس کی بے چارگی کا درد نہ پوچھ
مجھ پہ رعشہ سا ہوگیا ہے طاری

☆

چاندنی رات اور یہ نظارے
زندگی کے نقیب ہوتے ہیں
شرم رہنے دو یہ حسین منظر
روز کس کو نصیب ہوتے ہیں

☆

کھل گئے پھول دیکھ کر ان کو
ہنس کے غنچوں نے سلام کیا
صبح دم چمپئی بہاروں نے
مسکرا کر انہیں سلام کیا

☆

چاند تارے ترے تبسم سے
آسمانوں پہ مسکراتے ہیں
ہم ترے رخ سے چاندنی لے کر
آرزوں کے دیے جلاتے ہیں

☆

رات بھر کروٹیں بدلتا ہوں
دل سلگتا ہے آنکھ روتی ہے
جب مرے پاس تم نہیں ہوتے
رات کتنی اداس ہوتی ہے

☆

ہم سے روشن ہیں محفلوں کے چراغ
رونق و صبح و شام ہیں ہم لوگ
ہم نے تخلیق دو جہاں کی ہے
واجب الاحترام ہیں ہم لوگ

☆

عشق کا احترام ہے لازم
یہ فقط حسن کا پجاری ہے
سجدہ کرتا ہے تیرے قدموں پر
جو دلیلِ وجودِ باری ہے

☆

تیرے حالات اور ہی کچھ ہیں
میرا ماحول ہے جداگانہ
اک کسوٹی پہ مت پرکھ سب کو
خام ہے تجربے کا پیمانہ

☆

جذبہ اقتدار ہی تیرا
دکھ کا باعث ہے ہر کسی کے لیے
اپنا ہمسفر سمجھ کے مل سب سے
یہی لازم ہے دوستی کے لیے

☆

ہر محبت کی بات کو تم نے
عقل کی روشنی میں سوچا ہے
چشم پر نم کو دیکھ کر کہہ دو
غم ایام کا نتیجہ ہے

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

وسوسے دل کے بڑھتے جاتے ہیں
یوں مرے نامہ بر نہ دیکھ مجھے
دل میں جو بات ہے اسے کہہ دے
مسکرا کر مگر نہ دیکھ مجھے

☆

نگار عید جو آئی مرے خیالوں میں
سنہرے پھول کھلے زرفشاں چراغ جلے
افق سے تا بہ افق رنگ و نور تھا لیکن
نظر اٹھائی تو ذوق نظر نے ہاتھ ملے

☆

ملا جو مژدۂ عید سعید غربت میں
ہمارا قلب حزیں اور سوگوار ہوا
خیال آ گیا خوں گشتہ آرزوؤں کا
ہلال عید کا خنجر جگر کے پار ہوا

☆

جنہیں نصیب ہیں آسائشوں کے رنگ محل
شکیب ان کے لیے عید کیف زا ہوگی
لبوں پہ رن تبسم نہ دل میں موج سرور
مرے وطن کے غریبوں کی عید کیا ہوگی

☆

سبزہ زاروں میں روشنی کی کرن
سر اٹھاتی ہے ڈوب جاتی ہے
بجلیاں کی نظر ہے گلشن پر
سایہ گل سے آنچ آتی ہے

☆

چوڑیاں بج رہی ہیں کانوں میں
کس نے دست حنائی لہرا یا
اے دل مضطرب بتا تو سہی
تجھ کو کس کا سلام یاد آیا

☆

کیسی پرخار ہیں مری راہیں
دو قدم بھی تو چل نہیں سکتا
منزلیں خود یہاں نہ آئیں گی
راستہ بھی بدل نہیں سکتا

☆

اس طرح رات کے دھندلکے میں
عہد ماضی کی یاد آتی ہے
جیسے شب کو مہین بدلی سے
چاندنی چھن کے پھیل جاتی ہے

☆

یہ مرے دوست یہ معصوم سے لوگ
ان کی ہر چال بہت گہری ہے
ان کے سائے سے بھی بچ کر گزرو
ان کا سایہ بھی بڑا زہری ہے

☆

منہ سے لگا کے چھوڑ دیا بادۂ نشاط
میخانہ حیات سے پیاسے ہی لوٹ آئے
یاد آ گئی شکیب کسی بے نوا کی پیاس
ہم ساحلِ فرات سے پیاسے لوٹ آئے

☆

آدمی میں اگر خلوص نہ ہو
تو وہ انسان ہی نہ کہلائے
گر محبت نہ زمانے میں
تو یہ سب کائنات مٹ جائے

☆

گفتار کہ رخشندۂ ستاروں کے تبسم
غنچے تیرے ہونٹوں سے ہنسی لوٹ رہے ہیں
رفتار کے تالاب کی لہروں میں روانی
انگ انگ سے معصوم کنول پھوٹ رہے ہیں

www.HallaGulla.com

Virtual Home
for Real People

# رُباعیات

## ۱۹۵۰۔۵۳ء

☆

نظروں میں نیا زمانہ ڈھلتا ہے حضور
آغوش میں انقلاب پلتا ہے حضور
حالات کے سانچے میں مجھے کیا بدلیں گے
ماحول مرے جلو میں چلتا ہے حضور

☆

ہر رنج کو ہنس کے ٹال جاتا ہوں میں
ناکامیوں پر بھی مسکراتا ہوں میں
اللہ کی قدرت کا تو قائل ہوں مگر
اپنی تقدیر خود بناتا ہوں میں

☆

جذبہ خام تو نہیں ہم لوگ
اس قدر عام تو نہیں ہم لوگ
ساتھ چلنے سے کیوں جھجکتے ہو
اتنے بدنام تو نہیں ہم لوگ

☆

احساس غم سودوزیاں سے کیا کام
آوارہ ہوں مجھ کو آشیاں سے کیا کام
شاعر کو نیاز و عجز سے کیا مطلب
ہاں ہاں مجھے آپ کے جہاں سے کیا کام

☆

تقلید کے بت توڑ کے رکھ دیتے ہیں
حالات کا رخ موڑ کے رکھ دیتے ھیں
بے لوث محبت کی قسم ، دیوانے
ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیتے ہیں

☆

آغوش میں ظلمت کی سلاتے ہو انہیں
افسانہ تاریک سناتے ہو انہیں
حاجت ہے جنیں نئے اجالے کی ندیم
بجھتے ہوئی قندیل دکھاتے ہو انہیں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

میخانہ بدوش یہ گلابی آنکھیں
زلفیں ہیں شب تار تو غزالی آنکھیں
مستی کے جزیروں سے پکارا کوئی
ساون کی پھواروں یہ شرابی آنکھیں

☆

انگ انگ میں بہتے ہوئے مہ پارے ھیں
کس درجہ شرر دوست یہ نظا رے ھیں
بانہوں میں مچلتی ہوئی بجلی کی لچک
آنچل میں سلگتے ہوئے انگارے ہیں

☆

چاندی کے کٹوروں میں فواریں چھوٹے
سینے کا ابھار جیسے جھرنا پھوٹے
اس حشر خرامی کے مقابل ہو اگر
موجوں کی روانی پہ قیامت ٹوٹے

☆

خوابیدہ کراہوں کی صدا آتی ہے
جس طرح دبے پاؤں قضا آتی ہے
سوتے ہوئے قیدیوں نے کروٹ بدلی
زنجیر چھنکنے کی صدا آتی ہے

☆

آلام کا اظہار بھی منظور نہیں
دل یورش غم جگر ہیں تری الفت کے امین
ماحول کا رستا ہوا ناسور نہیں

☆

وہ رسم عنایت نہیں ہے پھر بھی
اب پرسش حالات نہیں ہے پھر بھی
خواہش ہے یہی ان سے بہت کچھ کہیئے
کہنے کو کوئی بات نہیں ہے پھر بھی

☆

آغوش میں ماہ پارے پالے ہم نے
گھر گھر میں نئے دیپ اجالے ہم نے
تاریک خرابوں کو نیا نور دیا ہے
ظلمات سے آفتاب ڈھالے ہم نے

☆

جب جوش میں خوابیدہ امنگ آتی ہے
تیزابی خورشید کو شرماتی ہے
بپھری ہوئی نظروں کی تمازت کی قسم
اک پل میں چٹان موم ہو جاتی ہے

☆

تقدیس شباب سے شرارے پھوٹے
انگڑائی کہ جیسے آفتابی چھوٹے
یوں اٹھ کے گریں وہ شوخ باہیں گویا
اک ساتھ فلک سے دو ستارے ٹوٹے

☆

توبہ نے لچک کر یہ کہا ہے ساقی
منظور اسے بھی خوں بہا ہے ساقی
ہاتھوں میں نہیں ہے یہ کھنکتا ساغر
برسات کا دل دھڑک رہا ہے ساقی

☆

پتوں پہ ٹپکتی ہوئی شبنم کی چاپ
یا جیسے کہیں دور کسی ڈھول پہ تھاپ
آیا ہے دبے پاؤں یہاں پر کوئی
ہونے کو ہے بچھڑی ہوئی روحوں کا ملاپ

☆

رک رک کے سفینہ بہہ رہا ہو جیسے
قیدی کوئی ظلم سہہ رہا ہو جیسے
اس طر الجھ گئے زبان سے شکوے
گونگا کوئی بات کہہ رہا ہو جیسے

☆

بھر جائے گی پھولوں سے شفق کی جھولی
کھیلیں گے اندھیروں کے لہو سے ہولی
یہ خاوری کرنوں کے غول پہنچے
وہ سہم گئی ہے تاروں کی ٹولی

☆

اوہام کے بت توڑ رہے ہیں ٹھرو
حالات کا رخ موڑ رہے ہیں ٹھرو
بے لوث محبت کی قسم ، دیوانے
ٹوٹے ہوئے دل جوڑ رہے ہیں ٹھرو

☆

شرمندہ اغیار رہے ہیں برسوں
منت کش پر خار رہے ہیں برسوں
کچھ ہم ہی سمجھتے ہیں رموز گلشن
پھولوں کے طلبگار رہے ہیں برسوں

☆

اک دھند ہے، اک کہر ہے، اک بدلی ہے
قندیل نظر کی روشنی گدلی ہے
یہ دھول جمی ہے رات کے گیسو پر
یا مارسیہ نے کینچلی بدلی ہے

☆

خوابیدہ کراہوں کی ندا آتی ہے
جس طرح دبے پاؤں صبا آتی ہے
سوتے ہوئے قیدی نے کروٹ بدلی
زنجیر چھنکنے کی صدا آتی ہے

☆

گونجی ہے فضا میں کسی ذی روح کی چاپ
یا کاہکشاں کی دف مہتاب پہ تھاپ
وہ سائے کے پیچھے کوئی سایا دوڑا
ہونے کو ہے بچھڑی ہوئی روحوں کا ملاپ

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

☆

ذوق نظارہ خام نہیں ہے
میری نظر بدنام نہیں ہے
دیکھ کر تم کو بہک گئی تھی
یہ لغزش ہر گام نہیں ہے

☆

وہ دور کہیں باغ میں بلبل بولی
وہ جھوم کے آنکھ ہر کلی نے کھولی
یہ خاوری کرنوں کے غول آپہنچے
وہ سہم گئی ہے تاروں کی ٹولی

☆

گل رنگ یہ زر تار سی بھوری کرنیں
سیماب سے دھوئی ہوئی نوری کرنیں
بلور سی بانہوں پہ دمکتے ہوئے بال
مہتاب کی قاشوں پہ اھوری کرنیں

☆

اوہام کے بت توڑ رہے ہیں ٹھہرو
حالات کا رخ موڑ رہے ہیں ٹھہرو
بے لوث محبت کی قسم، دیوانے
ٹوٹے ہوئے دل جوڑ رہے ہیں ٹھہرو

☆

فانوس کی لو میں جھلملاتا ہوں کبھی
تاروں کی جبیں کو جگمگاتا ہوں کبھی
آنکھوں میں نور بن کے رہتا ہوں میں
سورج کی کرن میں مسکراتا ہوں کبھی

☆

ساحل پہ اور ریت بچھانے سے کیا فائدہ
سمندروں کو پانی دکھانے سے فائدہ
پھیلی ہوئی جہاں ہو تیری آرزوں کی دھوپ
اس بزم میں چراغ جلانے سے فائدہ

# بچوں کے لیے

www.HallaGulla.com

## صبح

صبح سویرے اٹھتا ہوں
روز اندھیرے اٹھتا ہوں

اٹھ کر سیر کو جاتا ہوں
ٹھنڈیں ہوائیں کھاتا ہوں

پھول اسی دم کھلتے ہیں
غنچے آنکھیں ملتے ہیں

شبنم بکھری ہوتی ہے
کلیوں کا منہ دھوتی ہے

باغ معطر ہوتا ہے
دل کش منظر ہوتا ہے

بلبل گیت سناتی ہے
کوئل شور مچاتی ہے

Virtual Home for Real People

ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں
سب کو پنکھا جھلتی ہیں

ڈالی ڈالی ہلتی ہے
آنکھ بھی ٹھنڈک پاتی ہیں

دن بھر جی خوش ہوتا ہے
ہر غم ہنس کے سہتا ہے

جو کوئی اس دم سوتا ہے
اس نعمت کو کھوتا ہے

نومبر ۱۹۵۱ء

# بادل

پورب سے آئے ہیں بادل
گنگا جل ہیں بادل

رنگ ہے ان کا کاہی کاہی
پھیلی ہے ہر سمت سیاہی

چلتے ہیں یہ ہلکے ہلکے
رنگ بدل کے روپ بدل کے

نظریں جب بھی اٹھاتے ہیں
اک نئی صورت پاتے ہیں

شیر کبھی بن جاتے ہیں
ہم کو خوب ڈراتے ہیں یہ لوگ

شکل کبھی ہوتی ہے ان کی
موٹے تازے گھوڑے جیسے

دھیرے دھیرے نقش بدل کر
ہاتھی بن جاتے ہیں یہ اکثر

جب یہ آتے ہیں مستی میں
دوڑ لگاتے ہیں مستی میں

یہ اس کو چھونے جاتے ہیں
وہ اس کے پیچھے آتے ہیں

کھیل ہی کھیل میں لڑ جاتے ہیں
یہ آپس میں غراتے ہیں

ایک پہ اک چڑھ کر آتا ہے
برقی کوڑے لہراتا ہے

پھر یہ اپنی سونڈ اٹھا کر
جھاگ اڑاتے ہیں دنیا پر

جن کو ہم بارش کہتے ہیں
جو دریا بن کر بہتے ہیں

مئی ۱۹۵۲ء

# خاک بسر جاگے

صبح لیتی ہے انگڑائیاں گاؤں میں
پھر اجالا ہوا پر فشاں گاؤں میں

کل تک جھاڑ جھنکار، گرد و غبار
آج پھل پھول پھلواریاں گاؤں میں

ہر قدم پہ ہوئے ستاروں کے کھیت
ہر گلی بن گئی کہکشاں گاؤں میں

صاف شفاف روشن خنک راستے
اجلے اجلے معطر مکاں گاؤں میں

فصل گندم کے خوشے جواہر نگار
موتیوں کی کمی اب کہاں گاؤں میں

کو بکو خوشبوؤں کے حسین قافلے
سو بہ سو دودھ کی ندیاں گاؤں میں

زندگی مانگتی ہے زمیں سے خراج
کوئی ذرہ نہیں رائیگاں گاؤں میں

عزم و اخلاص کی زندہ تصویر ہیں
شوخ بانکے سجیلے جواں گاؤں میں

رہٹ گاتا ہے پائل کی جھنکار
رقص کرتی ہیں پنہاریاں گاؤں میں

شہر کی پر تصنع فضاؤں سے دور
میری منزل ہے جنت نشاں گاؤں میں

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People